(تصحیح کی آخری تاریخ 16-4-2027)

عمدۃ العلماء مولانا سیّد محمد صادق صاحب قبلہ لکھنؤ آل سرکار نجم العلماء

مقدّمہ

نہج البلاغہ

حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں کا یہ گراں قدر مجموعہ جسے علّامہ رضیؒ کی کاوشوں نے تالیف کا پیراہن پہنایا ہے، نہ صرف عربی اَدب کا خزانۂ عامرہ، قرشی فصاحت و بلاغت کا لازوال معجزہ اور علمِ معانی و بیان کی بہترین خوبیوں کا لطیف و شفاف سر چشمہ ہے بلکہ اس کی گود میں وہ سب کچھ موجود ہے جو دنیا کی تمام حکمت و فلسفہ، تدبیر منزل و سیاست مدن، معاشیات و اقتصادیات جیسے اہم موضوعات کو اپنا سرنامۂ بحث قرار دینے والی بسیط کتابوں میں مجموعی طور پر بھی موجود نہیں۔

یونان کی سرزمین پر نشوونما پانے والے فلسفہ نے اپنے افادیات کی ہمہ گیری اور اپنے حقائقِ کائنات کا کھوج لگانے والے مشہور فلسفیوں کی حکیمانہ موشگافیوں سے ثقافتی ارتقا کا جو سنگِ بنیاد رکھا، اس سے نہ کسی کو انکار ہے نہ ہوسکتا ہے، بلاشبہ افلاطون وسقراط نے انسانی تفکّر وادراک کی ضیافت کے لیے جو کچھ کیا ہے اس نے علمی حیثیت سے رہتی دنیا تک کے لیے ان کو اس زندگی کا مالک بنادیا جسے زمانہ کے انقلابات وتغیّرات کی تیز سے تیز ہوائیں بھی فنا کرنے پر قادر نہیں۔ ان کی تحقیقات حکمت کے وہ روشن منارے ہیں جن سے تحقیق کی وادیوں میں بھٹکنے والے بہت کچھ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔

سحبان کی بلاغت عربی تاریخ کا ایک ناقابلِ انکار ذخیرہ ہے۔ سلمائے ادب کی آرائش اور اس کی زلفوں کے سنوارنے میں عرب کی اس مشہورِ زمانہ شخصیت کی کارگزاریاں وہ حیثیت اختیار کرچکی ہیں جہاں کسی بہترین مذاقِ ادب رکھنے والے کے لیے جب بھی تمثیل کی منزل درپیش ہوتی ہے تو اس موقع پر خیال کا اس کی جانب متوجہ نہ ہونا ناممکن سی بات ہوجاتی ہے۔ عمرابن کلثوم، زبیر نابعہ اور امرأالقیس جیسے شعرا کی نازک خیالیاں اور جادو بیانیاں ان کی دماغوں پر اثر انداز ہونے والی بہترین تخئیلیں اور واقعات کو دِل ودماغ پر چھاجانے والی محاکات کے طاقت سے سج دینے والی صلاحیتیں یہ بھی مسلّمہ حقیقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے اشعار کی طاقتیں وہ تھیں جن کے سامنے نیزوں کی شرارہ خیزانیاں، تلواروں کی چمکتی ہوئی تیز دھاریں، تیروں کی سنگ خارا کے دل میں پیوست ہوجانے والی نوکیں بھی اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ لیکن یہ میرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے کہ عرب کے سرمایۂ ناز وافتخار ادیب خواہ انہوں نے جاہلیت کے

آغوش میں پرورش پائی ہو یا اسلام کے افقِ فاران سے طالع ہونے والے آفتاب کی نور پاش کرنوں سے نورانیت کا اکتساب کیا ہو، ان کی تحریریں سلاست وروانی، سجع وترصیع، تخئیل ومحاکات اور بیان کو سحر کا مرتبہ عطا کر دینے والی تمام معانی و بیان کی خوبیوں کی حامل ہونے کے باوجود حکمت وفلسفہ کے ان قیمتی دروس کی اس طرح حامل نہیں جس طرح یونانی فلاسفہ کے مصنّفات ان سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ یونہی افلاطون وسقراط کی فلسفی نکتہ آفرینیاں، ان کے چمنستان تحقیق کے پھولوں کی رنگینی اس شاعرانہ لطافتِ تعبیر کے حسن و جمال سے تہیدست نظر آتی ہے جس نے عربی ادب کے خدّوخال کو اتنا سج دیا کہ اس کی ہر تشبیہ کو سحر حلال سے تعبیر کیا جانا ممکن ہے، اگر کسی مقام پر یہ دونوں چیزیں موجود ہیں تو وہاں اخلاقیات غائب ہیں، یہ بھی ہے تو میدان جنگ میں فوجوں کی کمان کرنے کے قواعد، عسکری اصول وضوابط، سپاہیوں کو بہتر سے بہتر سپاہی کیوں کر بننا چاہیئے، اس کی تشریحات، فوجی ترتیب کے آئین، جن کا ایک واعظ منبر نشین سے بظاہر کوئی قریبی تعلق نہیں، ان کا نمایاں طور پر فقدان ہے۔

یہ سب کچھ مان لیجئے مگر اسے تو بہر حال تسلیم ہی کرنا ہوگا کہ مستقبل کے حوادث پر یقینی طور پر حکم لگانا اور اس کے متعلق ظن وتخمین سے نہیں بلکہ واقعی حیثیت سے اطلاعات کا فراہم کرنا یہ کوئی معمولی بات نہیں اور ممکن کی سطحِ ظاہر تک پہنچ کر رک جانے والی نگاہ کا مستقبل کے پردوں کو اٹھا کر کوئی ایسا حقیقت آگیں انکشاف پیش کرنا جسے حرف بحرف مستقبل صحیح ثابت کر دے، شاید اس سے دنیا کی کوئی ہستی انکار کرنے کی جرأت نہ کر سکے گی کہ یہ کام غیبی طاقت کی پشت پناہی کے بغیر قطعی ناممکن ہے۔

اب ان امور کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایسے مرکز کی تلاش جہاں یہ تمام چیزیں آپ کو پورے کمال کے ساتھ موجود نظر آئیں کتنی دشوار گزار منزل ہوگی اسے آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں پہنچنے کے بعد افلاطون وارسطو جیسے مشاہیر فلاسفہ کے حکمی مؤلفات، عربی فصاحت وبلاغت کے سرمایۂ فخر دفاتر، اخلاق کے بہتر سے بہتر صحیفے، عسکری نکات کی طرف رہنمائی کرنے والے اعلیٰ سے اعلیٰ مصنّفات سب پیچھے ہٹتے نظر آئیں گے اور صرف ایک مجموعہ ساری دنیا میں آپ کو نظر آئے گا جو ان پاشاں امتیازات، متفرق خصائص اور بکھرے ہوئے فضائل کا شیرازہ بند کہا جا سکے اور وہ اسلام کے سب سے بڑے فلسفی، جزیرۃ العرب کے بزرگ ترین اخلاقی رہنما، کائنات کی عظیم ترین شخصیت، نورِ نگاہِ ابوطالب حضرت علی علیہ السلام کے خطب وارشادات کا مجموعہ "نہج البلاغہ" ہوگا۔ یہ مجموعہ اپنی ادبی زور فصاحت وبلاغت کے سحر کا راثر اور اپنی مسلّم الثبوت امتیازی خصوصیات کی بنا پر جو درجہ رکھتا ہے اس کے متعلق اتنا تحریر کر دینا کافی ہے کہ اسے اپنے ہوں یا غیر، یگانے ہوں یا بیگانے، موافق ہوں یا مخالف، سب نے "تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ" "یعنی خالقِ کائنات کے معجز نما

کلام قرآن مجید سے مرتبہ میں کم اور ساری دنیا کے کلام سے مرتبہ میں بلند و بالا تسلیم کیا ہے"۔ اس میں طبعیات و ما بعد الطبعیات، الٰہیات و ریاضیات، معاشیات و نفسیات، اخلاق و حکم، مواعظ و عبر، تدبیر منزل و سیاستِ مُدَن، فلکیات و ارضیات، حال و مستقبل کے متعلق جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اسلام کی اس سب سے بڑی شخصیت کی وہبی صلاحیتوں کو برا فگندہ نقاب کرنے کے لیے کافی ہے۔

نہج البلاغہ کی جامعیت

اوپر اجمالی طور پر جو کچھ تحریر کیا جا چکا ہے اس سے آپ "نہج البلاغہ" کی جامعیت کے متعلق فیصلہ کرنے میں کافی مدد حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس اجمال کی چونکہ ایک ہلکی سی تشریح مقصود ہے اس لیے اِسے ایک علیحدہ مستقل سرخی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ کون کون سے موضوعات ہیں جن کے متعلق اس کتاب میں سیر حاصل مواد مہیّا کیا گیا ہے، اس کا استقصاء تو بہت دشوار ہے لیکن سرسری طور پر اس کی فہرست ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

علم الالٰہیّات

خارج و ذہن دونوں منزلوں میں مادّہ کی ضرورت سے بے نیاز موجودات کی حقیقتوں کا جائزہ لے کر ان کی پردہ پوش حالتوں پر بحث و تمحیص کرنا یہی علم الالٰہیّات کا موضوع ہے اور اس میں جتنی دشواریاں ہیں انہیں آپ معمولی سے غور و فکر کے بعد محسوس کر سکتے ہیں۔ نظری چیزیں محتاجِ تفصیل ہوتی ہیں مگر یہ چیز تو بدیہی اور بالکل بدیہی ہے کہ مادّہ سے کنارہ کش دنیا مادّہ کی پہلو نشین دنیا سے بھی وسعت میں زیادہ ہے، مفاہیم کی گھنی آبادی، حقائق علمیّہ و عملیّہ کے حسین چہرے اور وہ بے شمار حقائق جو ذہنی و مادی وجود میں مادّہ کی کوئی احتیاج نہیں رکھتے ان کا دائرہ وسیع اور بے انتہا وسیع ہے اور اس کے اندر صرف خالقِ کائنات کی ہستی اپنی ثبوتی و سلبی صفتوں سمیت ہی نہیں بلکہ فلک کی ماہیّت، جنّت و نار کی حقیقت، عرش و کرسی وغیرہ کی معلومات سبھی داخل ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اس مقدس صحیفہ میں ان میں سے جس چیز کے متعلق آپ تلاش کیجیے آپ کو اتنا مواد دستیاب ہوگا جس سے بسیط سے بسیط سے تالیف کا مرتّب ہو جانا ممکن ہو سکے گا۔ اجمالی طور پر ذیل میں جو فہرست درج کی جا رہی ہے وہ اس دعوے کا مکمل ثبوت فراہم کر دے گی۔

اللہ کیا ہے؟ علم معانی و بیان کی سیر کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ اطناب یعنی کسی مطلب کو زیادہ سے زیادہ الفاظ میں ادا کرنا، ایجاز یعنی کم سے کم لفظوں میں اسی مطلب کو ادا کرنے سے درجہ کے لحاظ سے پست حیثیت خیال کیا گیا ہے۔ ایک خطیب یا انشا پرداز کے لیے اپنے مطلب کو بسط دے کر بیان کرنا نسبتاً اس سے آسان ہے کہ اسے سمیٹ کر کم سے

کم لفظوں میں ادا کر دیا جائے۔ وہی مفہوم جسے تعبیرات کی فراوانی اور الفاظ کی دلپذیر کثرت سے سو صفحوں میں ادا کیا جاتا ہو اگر سمیٹ کر ایک سطر میں اس طرح ودیعت کر دیا جائے کہ مخاطب اسے پوری طرح سمجھ لے تو اسے حسن ادا کا بہترین شاہکار سمجھنا چاہیے۔ علمِ کلام اسلامی علوم کا گُلِ سرسبد ہے اور اس کے متعلق ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں کتابیں تالیفات کی صف میں موجود نظر آتی ہیں جن میں واجب الوجود کی حقیقت پر محققانہ انداز میں افادات پیش کیے گئے ہیں اور اس پر ایک دو نہیں ہزاروں صفحات کو سیاہ کر ڈالا گیا ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ متکلمین کی یہ کاوشیں قابلِ صد تحسین و آفرین ہیں اور انہوں نے چمنستان افادت میں رنگا رنگ تحقیقات کی جو پر بہار روشیں بنائی ہیں وہ ان کے بہترین سلیقۂ ترتیب کی آئینہ دار ہیں مگر گلشن کلام کے لاکھوں پھولوں کی رنگینیوں کو ایک پھول میں جمع کر دینا وہ مشکل مرحلہ تھا جہاں بادیہ پیمائے فکر کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور دست و بازوئے بیان اس کے متعلق اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے تھے لیکن خطیب منبر سلونی نے اس کو اس طرح سہل و آسان طریقہ پر انجام دے دیا کہ اطناب ایجاز کے قدموں پر سجدے کرتے نظر آنے لگا۔ کل مقامات کا استقصاء تو بہت دشوار ہے صرف چند چیزیں ملاحظہ کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

نہج البلاغہ ص 161 پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. اَلْاَوَّلُ لَا شَيْءَ قَبْلَهٗ. وَ الْاٰخِرُ لَا غَايَةَ لَهٗ. لَا تَقَعُ الْاَوْهَامُ لَهٗ عَلٰى صِفَةٍ. وَ لَا تُعْقَدُ الْقُلُوْبُ مِنْهُ عَلٰى كَيْفِيَّةٍ. وَ لَا تَنَالُهُ التَّجْزِئَةُ وَ التَّبْعِيْضُ. وَ لَا تُحِيْطُ بِهِ الْاَبْصَارُ وَ الْقُلُوْبُ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ایسا اوّل ہے کہ کوئی شے اس سے پہلے نہیں، اور ایسا آخر ہے کہ کوئی اس کی حد نہیں، انسانی اوہام اس کی کیفیات کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور تقسیم اس تک پہنچ نہیں سکتی، دل اس کا ادراک اور آنکھیں اس کا نظارہ نہیں کر سکتیں۔"

[نہج البلاغہ، افکارِ اسلامی، خطبہ ۸۳، ص ۱۷۸]

یونہی ایک اور مقام پر پھر ارشاد ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الدَّالِّ عَلٰى وُجُوْدِهٖ بِخَلْقِهٖ. وَ بِمُحْدَثِ خَلْقِهٖ عَلٰٓى اَزَلِيَّتِهٖ. وَ بِاشْتِبَاهِهِمْ عَلٰٓى اَنْ لَّا شَبَهَ لَهٗ. لَا تَسْتَلِمُهُ الْمَشَاعِرُ. وَ لَا تَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ. اَنَّهٗ اَحَدٌّ لَا بِتَاْوِيْلِ عَدَدٍ. وَ الْخَالِقِ لَا بِمَعْنٰى حَرَكَةٍ وَّ نَصَبٍ. وَ السَّمِيْعِ لَا بِاَدَاةٍ. وَ الْبَصِيْرِ لَا بِتَفْرِيْقِ اٰلَةٍ. وَ الشَّاهِدِ لَا بِمُمَاسَّةٍ. وَ الْبَآئِنِ لَا بِتَرَاخِيْ مَسَافَةٍ. وَ

الظَّاهِرِ لَا بِرُؤْيَةٍ، وَ الْبَاطِنِ لَا بِلَطَافَةٍ. عَالِمٌ اِذْ لَا مَعْلُوْمٌ، وَ رَبٌّ اِذْ لَا مَرْبُوْبٌ، وَ قَادِرٌ اِذْ لَا مَقْدُوْرٌ.

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جو اپنے وجود پر اپنے مخلوقات کے ذریعہ دلیل قائم کرنے والا اور فنا پذیر کائنات سے اپنی ازلیت کا ثبوت فراہم کرنے والا، ان کے صاحبِ مثل ونظیر ہونے سے یہ بتلانے والا ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے، اس کو حواس چھو نہیں سکتے، پردے چھپا نہیں سکتے، وہ ایک ضرور ہے مگر عددی حیثیت سے نہیں، خالق ہے مگر حرکت وتعب کے بغیر، سنتا ہے مگر کان کے واسطے سے نہیں، دیکھتا ہے مگر آنکھ کے ذریعہ سے نہیں، پاس حاضر ہے مگر جسمانی اتصال کے ساتھ نہیں، جدا ہے مگر بعدِ مسافت اس کے ہمارے مابین حائل نہیں، ظاہر ہے مگر دیکھا نہیں جا سکتا، مخفی ہے مگر لطیف ہونے کی جہت سے نہیں، وہ جب کوئی جاننے والی چیز نہ تھی، اس وقت سے جانتا ہے اور جب کوئی پرورش کیا جانے والا نہ تھا اس وقت سے پرورش کنندہ ہے اور جب کوئی متعلق قدرت چیز نہ تھی اس وقت سے قادر ہے۔"

[نہج البلاغہ، افکارِ اسلامی، خطبہ ۱۵۰، ص ۲۹۷]

یہ ایک ہلکا سا پرتو ہے اس تجلی کا جو افقِ الٰہیات پر ضیا بار ہو کر معرفت کی شبِ تاریک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن بنا گئی۔ ذرا بنظرِ تعمق ملاحظہ فرمایئے تو آپ کو صاف محسوس ہو جائے گا کہ ایک دو نہیں بیسیوں کلام کے اتنے پیچیدہ مسائل تھے جن کو اس مختصر سی عبارت نے اتنا واضح کر دیا کہ جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تفصیل کے ساتھ ان حقائق کی باریکیوں کا جائزہ لینے میں تو بہت وقت صرف ہوگا جو اس مختصر سی عبارت میں بہترین حسن وخوبی سے جمع کیے گئے ہیں، صرف اجمالی طور پر اندازہ کیجیے۔

اللہ کا کوئی شریک نہیں اور نفی اس چیز سے کی جاتی ہے جو کسی ہستی و وجود کی مالک ہو، اس لیے وہ ہے، وہ مرکّب نہیں، وہ قابل رؤیت نہیں، وہ ازلی بھی ہے ابدی بھی، وہ قریب ہے اس طرح جس طرح علّت ومعلول میں نزدیکی ہوتی ہے نہ اس طرح جس طرح دو جسم ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ وہ باعتبار جسم بعید ہے مگر یہ بعد بھی بے تعلقی کے ساتھ نہیں۔ کیا یہ تمام مسائل جن کے گیسوؤں کی آرائش کلام کے شانہ کشوں کا کام ہے اس عبارت میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود نہیں؟

علم کلام کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ خدا میں صفاتِ زائدہ کا وجود نہیں، اس لیے کہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ صفاتِ زائدہ کے لیے دو ہی صورتوں کا اقرار کرنا ممکن ہے، یا انہیں واجب تسلیم کیا جائے گا یا ممکن، کیونکہ کسی کا واجب وممکن دونوں کی حدوں سے خارج ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ اس مسلّمہ کو ماننے کے بعد صفات زائدہ کو اگر واجب مانا جائے گا تو تعددِ قدماء کی مشکل در

پیش ہوگی، اور اگر انہیں ممکن مانا جائے گا تو ان کا حادث ہونا ناگزیر فرض کرتے ہوئے خدا کو محل حوادث فرض کرنا پڑے گا اور یہ چیز بھی اپنے مقام پر باطل قرار دی جا چکی ہے، اس پیچیدہ مسئلہ کو نہج البلاغہ میں کس حسن وخوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ، وَ کَمَالُ مَعْرِفَتِہِ التَّصْدِیْقُ بِہٖ، وَ کَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِہٖ نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْہُ، لِشَھَادَۃِ کُلِّ صِفَۃٍ اَنَّھَا غَیْرُ الْمَوْصُوْفِ، وَ شَھَادَۃِ کُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّہٗ غَیْرُ الصِّفَۃِ۔

"دین کی پہلی منزل اس کی معرفت ہے، معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے، تصدیق کا کمال اس سے صفات کی نفی کرنا ہے کیوں کہ ہر صفت موصوف کی غیر اور ہر موصوف صفت کا غیر ہوتا ہے۔ بنابریں صفات زائدہ کے فرض کرنے کا مطلب خدا کو صفات کے پہلو نشین ماننے کے مرادف ہوگا اور ایسا فرض کرنے کا صریحی مطلب یہ ہوگا کہ اسے تقسیم کے قابل مان لیا جائے اور تقسیم اس کے لیے ناممکن ہے۔"

[نہج البلاغہ، افکارِ اسلامی، خطبہ ۱، ص ۸۳]

ایجاز واختصار کے ساتھ اتنے اہم مسئلہ کو اتنے حسین استدلال کے ساتھ ثابت کر دینا یہی وہ چیز ہے جسے اس اہم کتاب کے خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

واجب الوجود اجزا سے بَری ہے

یہ بھی علم کلام کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اس کی وجہ دوسری بڑی بڑی دلیلوں سے قطع نظر کرتے ہوئے بالکل واضح اور مختصر یہ ہے کہ تجزّی مستلزمِ امکان ہے اور اللہ منزل امکان سے سر بلند ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرتؑ کا سابق افادہ "وَ لَا تَنَالُہُ التَّجْزِئَۃُ" یہ بتانے کے لیے بہت کافی ہے کہ خدا اجزاء سے بلند وبالا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ الٰہیات کے متعلق حضرتؑ کے نیستان افادات کی گُہر باریاں وہ ہیں جنہوں نے تفکّر وتعقّل کے خزانے کو اتنا مالا مال کر دیا ہے کہ اسے دوسرے کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت نہیں۔

رسولِ کریمؐ کی حقیقی منزلت

الٰہیات میں توحید اور اس کے متعلقات کے بعد دوسرا مرتبہ رسالت کا ہے، اس میں متکلمین کی جماعت کو قدم قدم پر جن جن الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ان کے قدموں نے جن جن مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں ان کی فہرست بہت طولانی

ہے، مختصر یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کا نقشہ کھینچنے والے قلموں کی گردش نے نبوت کے جو خط و خال پیش کیے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد نبوت کا درجہ عام بشریت کے درجے سے بہت زیادہ اونچا نظر نہیں آتا، بانیٔ اسلام کے اجداد کی شرک پرستی و صنم نوازی، پیغمبر اسلامؐ کی وہ بلند شخصیت جس کی روحانی طہارت اس نقطۂ کمال تک پہنچی ہوئی تھی جہاں اپنے ہوں یا غیر، مسلم ہوں یا غیر مسلم سب اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے، جس کو قرآن نے ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ کے زیور سے آراستہ کر دیا تھا، جس کا عرب کے متعصب افراد تک لوہا مانے ہوئے تھے اس کے متعلق سواد اعظم کے وسیع النظر سیرت نگاروں اور متبحر متکلموں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان افادات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جس کو نہج البلاغہ کے صفحات پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ص ۲۰۱:

فَاَخْرَجَهٗ مِنْ اَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتًا وَّ اَعَزِّ الْاُرُوْمَاتِ مَغْرِسًا، مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ صَدَعَ مِنْهَا اَنْبِيَآئَهٗ، وَ انْتَخَبَ مِنْهَآ اُمَنَآئَهٗ. عِتْرَتُهٗ خَيْرُ الْعِتَرِ، وَ اُسْرَتُهٗ خَيْرُ الْاُسَرِ، وَ شَجَرَتُهٗ خَيْرُ الشَّجَرِ، فَهُوَ اِمَامُ مَنِ اتَّقٰى، وَ بَصِيْرَةُ مَنِ اهْتَدٰى، سِرَاجٌ لَّمَعَ ضَوْئُهٗ، وَ شِهَابٌ سَطَعَ نُوْرُهٗ، وَ زَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهٗ، سِيْرَتُهُ الْقَصْدُ، وَ سُنَّتُهُ الرُّشْدُ، وَ كَلَامُهُ الْفَصْلُ، وَ حُكْمُهُ الْعَدْلُ۔

"پیغمبر اسلامؐ کا حسب و نسب بہترین حسب و نسب، ان کی عترت بہترین عترت تھی، وہ پرہیز گاروں کے رئیس اور طالبانِ ہدایت کے رہبر تھے، ان کی سیرت میانہ روی، ان کی سنّت رشد و ہدایت، ان کا کلام حق و باطل کے مابین فیصلہ کُن، ان کے احکام مبنی بر انصاف تھے۔"

[نہج البلاغہ، افکارِ اسلامی، خطبہ ۹۲، ص ۲۰۸]

اس مختصر سی عبارت میں نبوت کے متعلق جو پاکیزہ خیالات پیش کیے گئے ہیں ان سے آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ نبوّت کا معیار کتنا بلند ہے۔

اِس کے بعد قیامت کے متعلق اگر ملاحظہ فرمانا ہو تو سب سے پہلا خطبہ جس میں خلقتِ آدمؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے یا پھر خطبۂ اشباح کو اُٹھا کر ملاحظہ فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ نہج البلاغہ میں ان امور کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ اتنا ہے کہ جس کے بعد ان مباحث کے متعلق دیگر کتب و اسفار کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

طبعیات و ریاضیات

علم ریاضی کے ماہرین اور طبعیات کے واقف کاروں نے صدیوں کی محنتوں اور عرق ریزیوں کے بعد ان علوم کے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا ہے ان میں سے کوئی ایک حقیقت بھی ایسی نہیں جسے جزیرۃ العرب کے فلسفیٔ اعظم، چشم و چراغ ابوطالب حضرت علی علیہ السلام نے اب سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے پیش نہ کر دیا ہو۔ ہم نے خطبہ اشباح کے حاشیے پر ان کے متعلق ضروری تبصرے پیش کر دیے ہیں اور اس مقام پر ناظرین ان کا مطالعہ کرنے کے بعد سیر کن معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ بہرنہج علیحدہ علیحدہ سرخیاں قائم کر کے کہاں تک تبصرہ کیا جائے، مختصر یہ ہے کہ نہج البلاغہ علوم و فنون کی وہ مقدس وادی ہے جس کے اندر کلیم منیر عصمت حضرت علی علیہ السلام کے افادات کی تجلّیاں ہر طرف نور پاش نظر آتی ہیں، معلومات کا وہ پاک سر چشمہ ہے جس سے ہر علم کے تشنہ کام اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں، حکمت و فلسفہ کا وہ روشن منارہ ہے جس کے دامنِ تجلّی کی چھوٹ زندگی کے ہر شعبہ کو درخشاں بنا رہی ہے اور اس کے دامن میں وعظ و نصیحت، قیادتِ عسکر، ملکی انتظامات، شخصی فرائض، منزلی ذمّہ داریاں تمام چیزیں مجتمع نظر آتی ہیں۔

نہج البلاغہ کا اعجاز

دنیا کے تمام انشا پردازوں، منبر نشین خطیبوں اور فلسفہ و حکمت، شعر و شاعری، اخلاق و آداب، وعظ و نصیحت جیسے موضوعات پر اظہار خیال کرنے والوں کے افکار کا جائزہ لیجیے اور اس حقیقت سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طبقات کے اختلاف اور زمانوں کے تفرقوں نے ان کے اندازِ تعبیر پر کیا کیا اثر ڈالے ہیں، ان کے تصنیفات کا غائر النظر سے مطالعہ فرمایئے تو آپ کو یہ حقیقت نمایاں طور پر کارفرما نظر آئے گی کہ کارساز فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ایک مخصوص ذوق سے سرفراز فرمایا ہے، کسی کے خزانۂ استعداد میں مقامات نگاری کے جوہر ودیعت کیے ہیں تو کسی میں مکاتیب و مراسلات پر خامہ فرسائی کی بہترین قابلیت، کسی کی علمی آغوش کو نثر نگاری کے امتیاز سے مالا مال کیا ہے تو کسی کے فانوسِ کمال میں نظم کی درخشاں شمعیں روشن کی ہیں، کسی کے سپہر فضیلت پر طبعیاتی مسائل کے گوشوں پر چھوٹ ڈالنے والے مہر و ماہ کو سرگرم ضیا باری بنایا ہے تو کہیں میکدۂ ہئیت و ہندسہ و علم ریاضی کا ذوق رکھنے والوں کو کیف سرمستی کا پیغام دینے والے ساغر بھر کر سج دیے ہیں، لیکن یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ جب ایک بہترین مقالہ نگار مراسلہ نگاری کے میدان میں قدم ڈالتا ہے تو اس کے کمال کی روشنی دھندلی پڑ جاتی ہے، ایک المیہ نگار جب المیہ نگاری کی منزل سے ہٹ کر مزاحیہ نگاری کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یا کوئی فلسفی، فلسفی مضامین لکھتے لکھتے جب پند و نصیحت کی جانب رخ کرتا ہے تو اس کی روانیٔ

قلم میں فرق پیدا ہوجاتا ہے، لیکن نہج البلاغہ میں مختلف موضوعات ومختلف عناوین پر انسانی عقل کو متحیّر بنادینے والی فصاحت وبلاغت کے پیرائے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ابتدا سے انتہا تک ایک ایسی لڑی کے مانند ہے جس کا ہر موتی آب ورنگ میں یکسانیت کا حامل ہو، اسی لیے اسے اسلوبِ بیان کی یک رنگی اور طرزِ بیان کی بلاغت کے اعتبار سے ایک اہم ترین ادبی معجزے کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

نہج البلاغہ اور شیعہ

شیعوں کے مختلف الخیال طبقے اور فرقے سب اس کعبۂ حقیقت کا طواف کرتے نظر آتے ہیں کہ نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں، فرمانوں، خطّوں اور حکیمانہ ارشادوں کا وہ مجموعہ ہے جسے علامہ سید رضی علیہ الرحمہ نے تالیف کر کے دنیائے علم وادب کے سامنے پیش کرنے کا فخر حاصل کیا، اس میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جسے الحاقی کہا جاسکے، اس کا واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ الحاق یا اضافہ ایک ایسی چیز ہے جو عبارت کی یک رنگی میں فرق پیدا کردیتی ہے اور دیکھنے والا صاف محسوس کرلیتا ہے کہ اصل یہاں تک ہے اور اضافہ والحاق یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ مخمل کے ٹکڑے کتنے ہی بیش قیمت ہوں لیکن ریشم کے پہلو میں جگہ پانے کے بعد ہمیشہ بے جوڑ نظر آتے ہیں، اس لیے جہاں تک بعض مقامات میں الحاق واضافہ کا سوال ہے وہ تو ممکن ہی نہیں، جب غالبؔ کی غزل میں میرؔ کا ایک شعر بھی جگہ پانے کے بعد نہیں چھپ پاتا، آزاد کی نثر میں شبلی کی نثر کی آمیزش مخفی نہیں رہ پاتی، تو ایک بسیط اعلیٰ عربی نثر میں مختلف انشا پردازوں کی کاوشیں کیونکر سموئی جاسکتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو حریری کے کسی مقام میں بدیع الزمان ہمدانی کی کوئی عبارت کھپا کر اندازہ کرلیجیے کہ اضافہ اپنی نشان دہی کرتا ہے یا نہیں، اس لیے نہج البلاغہ کے بعض مقامات کا حضرت علی علیہ السلام کے کلام سے متعلق ہونا اور بعض کا متعلق نہ ہونا یہ تو مذاقِ سلیم کے تسلیم کرنے کی بات ہے ہی نہیں البتہ یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ کُل کلام کے متعلق کوئی دعویٰ کرنے والا یہ دعویٰ کردے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں، لیکن ایسا کرنا ناممکن ہے کیونکہ نہج البلاغہ کے اکثر وبیشتر خطبوں کے متعلق ثقات ومتبحرین کی رائے اِس کے خلاف ہے اور ان کا کلامِ علی علیہ السلام ہونا بتواتر ثابت ہے جسے آئندہ بسط وتفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

علّامہ ابن خَلّکان اور نہج البلاغہ

اپنے تعصّبات کی بنا پر جن لوگوں نے نہج البلاغہ کو کلامِ علی علیہ السلام ماننے سے انکار کیا ہے ان کی تعداد انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے ادلّہ اتنے کمزور ہیں جن کے مقابلہ میں خانۂ عنکبوت بھی زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے علّامہ ابن خلّکان کا نام نظر آتا ہے۔ موصوف شریف مرتضیٰ کے حالات تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ کِتَابِ نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ الْمَجْمُوْعِ مِنْ کَلَامِ الْاِمَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ، ھَلْ ھُوَ جَمَعَہٗ ، اَمْ جَمَعَہٗ اَخُوْہُ الرَّضِیُّ ؟ وَقَدْ قِیْلَ : اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ کَلَامِ عَلِیٍّ، وَ اِنَّمَا الَّذِیْ جَمَعَہٗ وَ نَسَبَہٗ اِلَیْہِ ھُوَ الَّذِیْ وَضَعَہٗ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

" لوگوں میں اس امر کے بارے میں اختلاف ہے کہ نہج البلاغہ جسے کلامِ علی کا مجموعہ کہا جاتا ہے اسے شریف مرتضیٰ نے جمع کیا ہے یا اُن کے بھائی علّامہ رضی نے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام ہی نہیں بلکہ اس کے جامع ومؤلّف خود مرتضیٰ ہیں۔"

[ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۳،ص ۳۱۳]

اس عبارت میں علمی حیثیت سے مختلف قابلِ اعتراض گوشے ہیں، سب سے پہلے تو یہی کہ نہج البلاغہ کی تالیف سید رضیؒ نے کی ہے یا سید مرتضیٰؒ نے یہ امر محل اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ علّامہ موصوف کا یہ افادہ تحقیق کے بلند معیار سے بالکل گرا ہوا ہے اور صاحبانِ تحقیق کے لیے قطعی نا قابلِ التفات ہے کیونکہ علاوہ اس کے کہ اہل علم کی ایک بڑی جماعت اس امر پر متفق الرائے ہے کہ یہ کلام سید رضیؒ کی تالیف ہے۔ خود سید رضیؒ نے اپنے مقدمہ میں اس کی وضاحت کر دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اس کے مؤلف وجامع شریف مرتضیٰؒ نہیں بلکہ وہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ علامہ ابن خلکان جیسے باخبر کو یہ اشتباہ شاید اس بنا پر پیدا ہوا ہے کہ بعض اہلِ تاریخ نے علامہ رضیؒ کو نام کی حیثیت سے نہیں لقب کی حیثیت سے ان کے دادا ابراہیم کے لقب مرتضیٰ کے ساتھ موسوم کیا ہے تو اس بنا پر سید رضیؒ یقینی حیثیت سے مرتضیٰ ہونے کے باوجود سید رضیؒ ہی رہتے ہیں اور کسی صاحبِ تحقیق کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس واضح حقیقت کے باوجود شبہ میں مبتلا ہو کر کم سوادی کا مظاہرہ کرے۔ یہ چیز تو آج بھی ممکن ہی نہیں بلکہ برابر ہوتی رہتی ہے کہ دو مختلف الاسم بھائیوں کو کسی ایک ایسے آبائی لقب کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے کہ جو ان دونوں میں سے کسی ایک کا نام بھی ہوتا ہے، تو کیا شریف رضیؒ کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ انہیں ایک مشترک لقب کے ساتھ ملقب کیا گیا ہو اور ان کا نام رضی اور لقب مرتضیٰ اور ان کے بھائی کا نام اور لقب دونوں مرتضیٰ ہوں۔ پھر اس کے بعد "قِیْلَ" (کہا گیا ہے) کے لفظ کی کمزوری نے ایک بڑا ثبوت فراہم کر دیا ہے اس امر کا کہ علامہ موصوف جس چیز کو پیش کر رہے ہیں اس کے ضعف کی طرف متوجہ ہیں۔

علّامہ ذہبی کی ہرزہ سرائی

علّامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں شریف مرتضیٰ کے حالات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے نہج البلاغہ کے متعلق جو اظہار خیال کیا گیا ہے وہ ضرور قابل توجہ ہے اور ذیل میں ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے، موصوف رقم طراز ہیں:

اَلشَّرِیْفُ الْمُرْتَضٰی ھُوَ الْمُتَّھَمُ بِوَضْعِ کِتَابِ نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ۔

"شریف مرتضٰی پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے نہج البلاغہ کو وضع کیا ہے"۔

جہاں تک موصوف کے اس جملے کا تعلق ہے، سابق میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے اس کی تحقیقی کمزوری واضح ہے کیونکہ پہلے یہ بتلایا جا چکا ہے کہ نہج البلاغہ علامہ رضیؒ کی متعدد نا قابلِ انکار گواہیوں اور اجماع محققین کی بنا پر شریف مرتضیٰ کی نہیں شریف رضیؒ کی تالیف ہے اور لقب کا اشتراک ہے جو کہ حقیقتاً اس شبہ کے پیدا ہونے کا سبب بنا ہے، پھر اس کے بعد موصوف تحریر کرتے ہیں:

مَنْ طَالَعَ کِتَابَہٗ نَھْجَ الْبَلَاغَۃِ جَزَمَ بِاَنَّہٗ مَکْذُوْبٌ عَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ. فَفِیْہِ السَّبُّ الصَّرِیْحُ وَ الْحَطُّ عَلَی السَّیِّدَیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَفِیْہِ التَّنَاقُضُ وَالْاَشْیَاءُ الرَّکِیْکَۃُ وَالْعِبَارَاتُ فَمِنْ بَعْدِھِمْ لَہٗ مَعْرِفَۃٌ بِنَفْسِ الْقُرَشِیِّیْنَ وَبِنَفْسِ غَیْرِھِمْ . مِمَّنْ بَعْدِ ھِمْ حَزَمَ بِاَنَّ اَکْثَرَہٗ بَاطِلٌ۔

[علامہ ذہبی، میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۱۲۴]

"جو شخص نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے اسے معلوم ہوگا کہ اس کی نسبت حضرت علیؑ کی جانب بالکل غلط ہے کیونکہ اس کے اندر شیخین پر کھلم کھلا سبّ وشتم ہے اور تناقضِ عبارات کے علاوہ وہ رکیک چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر ایک ایسا شخص جو قرشی صحابہ اور اُن کے علاوہ اور دوسرے متاخرین کے نفوس پر اطلاع رکھتا ہے یہ قطعی فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ باطل پر مشتمل ہے۔"

علامہ ذہبی نے اپنے انکار کی عمارت جن بنیادوں پر بلند کی ہے ان میں دو چیزیں اور صرف دو چیزیں ہیں، پہلے یہ کہ حضرتؑ نے سبّ وشتم فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں، کیا کسی شخص کی واقعی اخلاقی ومعاشرتی کمزوریوں اور عیبوں کا اظہار مؤرخانہ حیثیت سے سبّ وشتم کے حدود میں داخل ہے؟ اس کا تو صریحی مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کا کوئی مؤرخ کسی شخص کی زندگی کے روشن وتاریک صفحاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے وقت تاریک صفحہ حیات کے متعلق کچھ لکھ ہی نہ سکے۔ دیانتدار مؤرخ کا فریضہ ہے کہ وہ زندگی کے اچھے اور برے دونوں رخوں کا جرأت کے ساتھ جائزہ لے، توہین کے مقصد سے نہیں بلکہ اس نقطۂ نگاہ سے کہ اس نے جیسا محسوس کیا ہے ویسا ہی بتلا دے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ کسی عیب کو جذباتِ محبّت یا

خوف کی بنا پر مخفی نہ رکھے، اب یہ اور بات ہے کہ کسی کا صفحۂ زندگی تاریک ہی تاریک ہو اور کہیں خوبی کا نام ونشان ہی نہ ہو۔ اس لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام نے جن جن مقامات پر شیخین کی کمزوریوں پر روشنی ڈالی ہے اسے علمی سطح سے نیچے اتر کر سبّ وشتم سے کیوں تعبیر کیا جائے؟ یہ کیوں نہ کہا جائے کہ آپؑ نے ایک سچے اور "لَوْمَةُ لَآئِمٍ" کا خوف نہ کرنے والے دیانتدار سیرت نگار کی طرح سیرت نگاری کا ایک مقدّس کام انجام دیا ہے۔ علاوہ بریں نہج البلاغہ میں جس مقام پر واضح انداز میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر وحضرت عثمان کے متعلق واقعی کمزوریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ خطبۂ شقشقیہ ہے جس کے متعلق علّامہ ذہبی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے متعلق تقریباً تواتر ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہے۔ بنابریں ایک ایسے کلام کی بنیاد پر جس کا بطریق تواتر حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہونا ثابت ہے کل نہج البلاغہ کے کلامِ علی علیہ السلام ہونے سے انکار کرنا حماقت و سفاہت نہیں تو اور کیا ہے؟ خطبۂ شقشقیہ حضرت علی علیہ السلام ہی کا کلام ہے اس پر ذیل کے شواہد ملاحظہ ہوں۔

(۱) علّامہ ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ وَجَدْتُ اَنَا كَثِيْرًا مِنْ هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ تَصَانِيْفِ شَيْخِنَا اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلْخِيِّ اِمَامِ الْبَغْدَادِيِّيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ، وَكَانَ فِيْ دَوْلَةِ الْمُقْتَدِرِ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ۔ وَوَجَدْتُ اَيْضًا كَثِيْرًا مِّنْهَا فِيْ كِتَابِ اَبِيْ جَعْفَرِ بْنِ قِبَّةٍ اَحَدِ مُتَكَلِّمِي الْاِمَامِيَّةِ وَهُوَ الْكِتَابُ الْمَشْهُوْرُ الْمَعْرُوْفُ بِكِتَابِ ''الْاِنْصَافِ''۔ وَكَانَ اَبُوْ جَعْفَرٍ هٰذَا مِنْ تَلَامِذَةِ الشَّيْخِ اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَمَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّضِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَوْجُوْدًا۔

وَنُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ اَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَحْمَدَ الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْخَشَّابِ اَنَّهٗ قَالَ: وَاللّٰهِ لَقَدْ وَقَفْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ كُتُبٍ صُنِّفَتْ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمِائَتَيْ سَنَةٍ، وَلَقَدْ وَجَدْتُهَا مَسْطُوْرَةً بِخُطُوْطٍ اَعْرِفُهَا، وَاَعْرِفُ خُطُوْطَ مَنْ هُوَ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَهْلِ الْاَدَبِ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ النَّقِيْبُ اَبُوْ اَحْمَدَ وَالِدُ الرَّضِيِّ۔

وَنُقِلَ عَنْ شَيْخِهٖ اَبِي الْخَيْرِ مُصَدِّقِ ابْنِ شَبِيْبٍ الْوَاسِطِيِّ اَنَّهٗ لَمَّا قَالَ لِابْنِ الْخَشَّابِ: اَتَقُوْلُ اِنَّهَا مَنْحُوْلَةٌ! فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ، وَاِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّهَا كَلَامُهٗ، كَمَا اَعْلَمُ اَنَّكَ مُصَدِّقٌ۔ قَالَ: فَقُلْتُ لَهٗ: اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهَا مِنْ كَلَامِ الرَّضِيِّ فَقَالَ: اَنّٰى لِلرَّضِيِّ وَلِغَيْرِ الرَّضِيِّ هٰذَ النَّفْسُ وَهٰذَا الْاُسْلُوْبُ! قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى

رَسَائِلِ الرَّضِيِّ ، وَعَرَفْنَا طَرِيْقَتَهٗ وَفَنَّهٗ فِي الْكَلَامِ الْمَنْثُوْرِ، وَمَا يَقَعُ مَعَ هٰذَا الْكَلَامِ فِيْ خَلٍّ وَلَا خَمْرٍ۔

"میں نے حضرت علی علیہ السلام کے اس خطبہ کے بیشتر اجزا کو ابوالقاسم بلخی امام البغدادین کی تصانیف میں موجود پایا ہے اور یہ علامہ رضیؒ کی پیدائش سے بہت پیشتر مقتدر باللہ کے عہد حکومت میں تھے۔ اسی خطبہ کا ایک بڑا حصہ میں نے امامیہ فرقہ کے ایک متکلم ابوجعفر بن علی آملی کی کتاب "الانصاف" میں پایا ہے۔ یہ ابوجعفر شیخ ابوالقاسم بلخی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا انتقال سید رضیؒ کی ولادت سے قبل ہو چکا تھا۔

شیخ ابوعبداللہ بن احمد المعروف بابن الخشاب سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ بخدا میں اس خطبہ پر ان تصانیف کے ذریعہ سے مطلع ہوا ہوں جو سید رضیؒ کی ولادت سے دوسو سال قبل تدوین کی جا چکی تھیں، نیز میں نے اس خطبہ کو ان تحریروں کے ساتھ لکھا ہوا پایا ہے جن کو میں پہچانتا ہوں اور جن کے ان لکھنے والوں کی بھی مجھے معرفت حاصل ہے جو صاحبانِ علم و ادب میں سے تھے اور سید رضیؒ کے والد نقیب ابواحمد سے بھی مقدم ہیں۔

ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی سے منقول ہے کہ جب انہوں نے ابن الخشاب سے یہ پوچھا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ خطبہ من گڑھت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہے، جس طرح تم اس کی تصدیق کرتے ہو۔ ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سید رضیؒ کا کلام ہے۔ اس پر ابوالخشاب نے جواب دیا کہ رضیؒ یا رضیؒ کے علاوہ کسی اور شخص کو یہ طرز نگارش کہاں نصیب۔ مَیں رضیؒ کے رسائل اور نثر میں ان کے انداز سے واقف ہوں وہ تو اس سے کچھ ربط نہیں رکھتے۔"

[شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۰۵۔۲۰۶]

(۲) ابوالسعادت مبارک مجدالدین بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی کتاب "نہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" میں اس خطبہ (شقشقیہ) کے پندرہ الفاظ کو منتخب کر کے ان کی تشریحاتِ لغویہ تحریر کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف اس خطبہ کا کلام علی علیہ السلام ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

نہج البلاغہ میں ہے: طَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ، اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَآءَ۔

ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں: جَذَّ (لغت) مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَصُوْلَ بِيَدٍ جَذَّآءَ، وَيُرْوٰى بِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ۔

(حَذَّذَ) وَ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: اَصُوْلَ بِيَدٍ حَذَّآءَ، يُرْوٰى بِالْجِيْمِ، فَكَاَنَّهَا بِالْجِيْمِ اَشْبَهُ۔

نہج البلاغہ میں ہے: فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ، اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَ اِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں: (اَشْنَقَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ۔

نہج البلاغہ میں ہے: لٰكِنِّيْٓ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا، وَ طِرْتُ اِذْ طَارُوْا۔

نہایہ میں تحریر ہے: (سَفَفَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: لٰكِنِّيْٓ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا۔

نہج البلاغہ میں ہے: اِلٰٓى اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ، نَافِجًا حِضْنَيْهِ بَيْنَ نَثِيْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں: (نَفَجَ) مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: نَافِجًا حِضْنَيْهِ۔

اَيْضاً لغت (نَثَلَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: بَيْنَ نَثِيْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ۔

نہج البلاغہ میں ہے: وَ قَامَ مَعَهٗ بَنُوْٓ اَبِيْهِ يَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيْعِ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں کہ (خَضَمَ) لغت: فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ قَامَ مَعَهٗ بَنُوْٓ اَبِيْهِ يَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيْعِ۔

نہج البلاغہ میں ہے:، مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِيْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ۔

نہایہ میں ہے: (رَبَضَ) مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِيْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ۔

نہج البلاغہ میں ہے: وَ لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ، وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں: (حَلَا): فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ۔

(زِبْرَجَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ، وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا۔

نہج البلاغہ میں ہے: اَمَا وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاَ النَّسَمَةَ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں: (فَلَقَ) مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاَ النَّسَمَةَ۔

(نَسَمَ) مِنْهُ حَدِيْثُ عَلِيٍّ: وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاَ النَّسَمَةَ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں وَ لَكَانَتْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ اَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ۔

(عَطَفَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لَكَانَتْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ اَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ عَطْفَةِ عَنْزٍ۔

((عَفَطَ) فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ: وَ لَكَانَتْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ اَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ۔

(عَطْفَةٌ اور عَفْطَةٌ دو الگ نسخے ہیں، نہایہ میں دونوں کا حوالہ دیا گیا ہے)

نہج البلاغہ میں ہے: تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ۔

نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں (شَقْشَقَ) مِنْهُ فِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ فِيْ خُطْبَةٍ لَهٗ، تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ۔

غور فرمایئے علامہ ابن اثیر کا اتنے مقامات پر اس حقیقت کا اعتراف کرنا کہ یہ الفاظ حضرت علی علیہ السلام کے ہیں، اور "فِيْ خُطْبَةٍ لَهٗ" کے جملہ سے اس امر کا اشارہ کرنا کہ یہ خطبہ حضرت علی علیہ السلام ہی کا ہے کیا واضح ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ اس خطبہ کو الحاقی کہنے والے بالکل غلط گو ہیں؟ صرف علامہ جزری ہی نہیں بلکہ جیسا کہ "**التوضیحات التحقیقیة فی شرح الخطبة الشقشقیة**" میں مولوی سید علی اکبر صاحب ابن حضرت سلطان العلما طاب ثراہ نے تحریر فرمایا ہے، علامہ ابن میثم علیہ الرحمہ کی یہ گواہی واضح طور پر موجود ہے کہ انہوں نے اس خطبہ کو ایک ایسے نسخہ میں لکھا ہوا دیکھا ہے جس پر خط ابن الفرات وزیر مقتدر باللہ موجود تھا اور یہ سید رضیؒ سے ساٹھ سال پیشتر کی شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ سبط ابن جوزی نے یہ خطبہ اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامہ میں ابوالقاسم انباری سے اور انہوں نے باسناد خود اسے عکرمہ سے نقل کیا ہے اور علاء الدولہ سمنانی نے اپنی کتاب عروۃ الوثقی میں واضح طور پر اعتراف کیا ہے کہ یہ خطبہ بلا کسی شک وشبہ کے حضرت علیؑ ہی کا کلام ہے۔

اب تک جو کچھ حوالۂ قلم کیا گیا وہ حقیقتاً اس دعوے کا ثبوت تھا کہ نہج البلاغہ میں خصوصیت کے ساتھ خطبۂ شقشقیہ حضرت علی علیہ السلام ہی کا کلام ہے۔ ان تمام پیش کردہ شواہد کا مطالعہ فرمانے کے بعد آپ اندازہ فرمائیں گے کہ جس سبّ وشتم والے خطبہ کی بنا پر انہیں کل نہج البلاغہ کے متعلق اس امر کا انکار کرنے کی ضرورت درپیش ہوئی کہ وہ کلام علی علیہ السلام ہے وہی اتنی مستحکم شہادتوں اور ناقابلِ انکار گواہیوں سے ان کا مسلّم الثبوت کلام ہے۔ بنابریں اصولی حیثیت سے اساس استدلال کے ساقط ہوجانے کے بعد عمارت کو خود بخود ہی ساقط ہوجانا چاہیئے۔ ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر علامہ ذہبی کے اس استدلال کو مان لیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسے تمام کلام جو بقول علامہ موصوف سبّ وشتم پر مشتمل ہیں انھیں ان کے واقعی قائلین کی طرف منسوب ہی نہ کیا جائے۔ مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ میکدۂ وحی کے اکثر وبیشتر ساغروں میں بھی یہی بادہ چھلکتا ہوا نظر آتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں سورہ ن والقلم کے اندر یہ آیت موجود ہے کہ

﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴾

"یہ عیب جُو، بڑا چغل خور، پرلہ درجہ کا بخیل، حد سے گزر جانے والا، تُند مزاج، گنہگار اور اس کے علاوہ حرامی بھی ہے۔"

تو کیا یہ آیت قرآن مجید کی آیتوں سے خارج کر دینے کے قابل آیت بن گئی؟ علامہ ذہبی آئیں اور اس کا فیصلہ فرمائیں۔ مغیرہ بن شعبہ کو اکابر صحابہ کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر صحابہ کی بدکرداریوں کا پردہ فاش کرنا غیبت ہے تو قرآن میں خالق کائنات نے اس کو ایک صحابی کے حق میں کیوں روا رکھا۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کیا صحابہ نے آپس میں ایک دوسرے کی قدح نہیں کی ہے؟ تاریخ کی مستند شہادتیں اس قسم کے ایک دو نہیں سینکڑوں مناظر پیش کرتی ہیں جہاں صحابہ نے ایک دوسرے کو برے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ تو کیا آپ ان سب کے کلام کے متعلق یہی کہیں گے کہ یہ ان کا کلام نہیں؟ میرے خیال میں ایسا کہنا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد علامہ ذہبی نے جو اور باتیں لکھی ہیں کہ اس میں رکیک باتیں اور معاذ اللہ فصاحت و بلاغت سے گری ہوئی عبارتیں ہیں، یہ ایک ایسا مہمل دعویٰ بے دلیل ہے جس کے متعلق ﴿اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا﴾ کی تلاوت کر کے خاموش ہی ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔

اب وہ شواہد ملاحظہ فرمایئے جو کل نہج البلاغہ کے کلام حضرت علی علیہ السلام ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) علامہ احمد بن منصور کازرونی لکھتے ہیں:

وَمَنْ تَاَمَّلَ فِیْ کَلَامِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ خُطَبِہٖ وَ رِسَالَاتِہٖ، عَلِمَ اَنَّ عِلْمَہٗ لَا یُوَازِیْ عِلْمَ اَحَدٍ وَّ فَضَآئِلُہٗ لَا تُشَاکِلُ فَضَآئِلَ اَحَدٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ مِنْ جُمْلَتِھَا کِتَابُ نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ۔ لَقَدْ وَقَفَ دُوْنَہٗ فَصَاحَۃُ الْفُصَحَآءِ وَ بَلَاغَۃُ الْبُلَغَآءِ وَ حِکْمَۃُ الْحُکَمَآءِ۔

"جس شخص نے حضرت علی علیہ السلام کے کلام، ان کے کتب و رسائل اور خطب و حکم وغیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ آنحضرتؑ کا علم وہ ہے جس کا کوئی علم اور آپؑ کے فضائل وہ ہیں جن کا عالَم میں کسی کے فضائل مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان فضیلتوں میں سب سے نمایاں فضیلت کا ثبوت آپؑ کی کتاب نہج البلاغہ ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے سامنے فصحائے زمانہ کی فصاحت، اربابِ بلاغت کی بلاغت اور تمام حکمائے روزگار کی حکمت پست نظر آتی ہے۔" (مفتاح الفتوح تذکرہ علی ابن ابی طالبؑ)

(۲) ملا یعقوب لاہوری افادہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَرَادَ مُشَاھَدَۃَ بَلَاغَتِہٖ وَ مُسَامَعَۃَ فَصَاحَتِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ وَ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّنْسَبَ ھٰذَا الْکَلَامَ اِلٰی رَجُلٍ شِیْعِیٍّ. وَمَاذُکِرَ فِیْہِ مِنْ بَعْضِ الْاَلْفَاظِ الْمُوْھِمِ بِخِلَافِ اَھْلِ السُّنَّۃِ فَعَلٰی تَقْدِیْرِ ثُبُوْتِہٖ مِنْہُ، لَہٗ مَحَامِلٌ وَ

تَاْوِیْلَاتٌ وَ قَالَ الْبُلَغَاءُ اَنَّ کَلَامَہٗ فَوْقَ کَلَامِ الْخَلْقِ وَ تَحْتَ کَلَامِ الْمَخْلُوْقِ۔

''جو شخص حضرت علیؑ کی فصاحت کو دیکھنا اور ان کی بلاغت کو سننا چاہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ نہج البلاغہ کا مطالعہ کرے۔ بلاشبہ کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے فصیح و بلیغ کلام کو ایک شیعہ شخص کی جانب نسبت دے۔ رہا یہ امر کہ اس میں کہیں کہیں ایسے الفاظ موجود ہیں جو سُنّی عقائد کے خلاف ہیں اور ان سے مذہب اہل سنت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے نہج البلاغہ کے کلام علی علیہ السلام ہونے سے انکار کر دیا جائے۔ ان کو بر تقدیر تسلیم مختلف توجیہات و تاویلات سے درست ثابت کیا جا سکتا ہے اور بلغاء کا یہ مسلمہ ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا یہ مجموعہ خدا کے کلام سے ماتحت اور دنیا کے تمام کلاموں سے بالاتر ہے''۔ (شرح تہذیب الکلام)

(۳) علامہ تفتازانی کا اقرار

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں: وَ اَیْضًا هُوَ اَفْصَحُهُمْ لِسَانًا عَلٰی مَا یَشْهَدُ بِهٖ کِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔

''علاوہ اور فضیلتوں کے حضرت علی علیہ السلام کی نمایاں فضیلت یہ بھی ہے کہ آپؑ سب سے زیادہ فصیح تھے۔ اس حقیقت کی گواہ آپؑ کی کتاب نہج البلاغہ ہے''۔

(۴) شیخ احمد بن مصطفٰے المعروف بہ طاشکیری زادہ کا اعتراف

فاضل موصوف کتاب شقائق نعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ میں رقم طراز ہیں:

اَلْعَالِمُ الْفَاضِلُ الْکَامِلُ الْمَوْلٰی قِوَامُ الدِّیْنِ یُوْسُفُ الْمُشْتَهَرُ بِقَاضِیْ بَغْدَادٍ کَانَ مِنْ بِلَادِ الْعَجَمِ فِیْ مَدِیْنَةِ شِیْرَازٍ وَ کَانَ قَاضِیًا بِبَغْدَادٍ مُدَّةً فَلَمَّا حَدَثَتْ فِتْنَةُ ابْنُ اُرْدُبِیْلَ اِرْتَحَلَ اِلٰی مَارِدِیْنٍ وَ سَکَنَ هُنَاکَ مُدَّةً ثُمَّ اِرْتَحَلَ اِلٰی بِلَادِ الرُّوْمِ وَ اَعْطَاهُ السُّلْطَانُ بَا یَزِیْدَ خَاں بُرُوْسَهٗ ثُمَّ اَعْطَاهُ اِحْدَی الْمَدَارِسِ ثُمَّ اِرْتَحَلَ اِلٰی جَوَارِ الرَّحْمٰنِ فِیْ اَوَائِلِ سَلْطَنَةِ السُّلْطَانِ سَلِیْمَ خَانْ، کَانَ شَرِیْفًا عَالِمًا صَالِحًا مُتَشَرِّعًا زَاهِدًا ذَا هَیْبَةٍ وَ وَقَارٍ صَنَّفَ شَرْحًا جَامِعًا لِلْفَوَائِدِ لِلتَّجْرِیْدِ وَ شَرْحُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ الْهُمَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهٗ۔

''عالم، فاضل و کامل مولی قوام الدین جو کہ قاضی بغداد کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں۔ یہ بلاد عجم کے رہنے

والے تھے اور ایک عرصہ تک بغداد میں منصب قضا پر فائز رہے۔ جب ابن اردبیل کا فتنہ وقوع پذیر ہوا تو یہ مقام ماردین کی طرف کوچ کر گئے اور ایک مدت تک وہیں اقامت گزیں رہے۔ بعدازاں یہ سفر پیمائے بلادِ روم ہوئے اور وہاں ان کو بایزید خاں نے ایک مدرسہ حوالہ کر دیا جس میں یہ تدریس کا کام انجام دیتے رہے تا ایں کہ اوائل سلطنت سلطان سلیم خاں میں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بہت ہی شریف، باعلم، صالح، پابند شریعت، صاحب ہیبت و وقار اور زاہد تھے۔ انہوں نے تجرید کی جامع فوائد شرح تحریر کی ہے اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کتاب نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے''

صرف مسلمان ہی نہیں بہت سے باخبر غیر مسلمین بھی ہیں جنہوں نے اس حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام ہی کا کلام ہے۔

(۵) چنانچہ عبدالمسیح انطاقی صاحب جریدۃ العمران لکھتے ہیں کہ

لَا جِدَالَ اَنَّ سَیِّدَنَا عَلِیًّا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ اُسْتَاذُ الْبُلُغَآءِ وَ اَعْظَمُ مَنْ خَطَبَ وَ کَتَبَ فِیْ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ. وَ هٰذَا کَلَامٌ قَدْ قِیْلَ فِیْهِ بِحَقٍّ: اِنَّهٗ فَوْقَ کَلَامِ الْمَخْلُوْقِ وَ تَحْتَ کَلَامِ الْخَالِقِ. قَالَ هٰذَا کُلُّ مَنْ عَرَفَ فُنُوْنَ الْکِتَابَةِ وَ اشْتَغَلَ فِیْ صَنَاعَةِ التَّحْرِیْرِ بَلْ هُوَ اُسْتَاذُ الْکُتَّابِ الْعَرَبِ وَ مُعَلِّمُهُمْ بِلَا مِرَآءٍ. فَمَا مِنْ اَدِیْبٍ لَبِیْبٍ حَاوَلَ اِتْقَانَ صَنَاعَةَ التَّحْرِیْرِ اِلَّا وَ بَیْنَ یَدَیْهِ الْقُرْاٰنُ وَ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِکَ کَلَامُ الْخَالِقِ وَ هٰذَا کَلَامُ اَشْرَفِ الْمَخْلُوْقِیْنَ۔

''اس امر میں کسی لڑنے جھگڑنے کا امکان نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام فصحائے عالم کے رئیس اور بلغائے روزگار کے استاد ہیں اور تمام خطیبوں اور انشا پردازوں سے ان کا مرتبہ بلند و برتر ہے اور یہ نہج البلاغہ وہی کلام ہے جس کے بارے میں یہ بات بالکل سچ کہی گئی ہے کہ یہ خالق کے کلام سے پست اور تمام مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔ یہ معمولی لوگوں کا نہیں ان لوگوں کا مقولہ ہے جو فنون انشا پردازی میں کمال رکھتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام عرب کے تمام انشا پردازوں کے معلّم اور استاد ہیں اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دنیا کا جو شخص بھی فن انشا پردازی میں سرحد کمال تک پہنچنا چاہتا ہو اس کے لیے قرآن مجید اور نہج البلاغہ کو اپنے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ یہ قرآن خالق کا اور نہج البلاغہ بہترین مخلوقات عالم حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہے۔''

(۶) ایک دوسرے عیسائی عالم فواد افرام بستانی استاذ الآداب العربیہ فی کلیۃ القدیس یوسف بھی ہیں جنھوں نے نہج البلاغہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

اِنَّنَا نَبْدَاُ الْیَوْمَ بِنَشْرِ مُنْتَخَبَاتٍ مِّنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَوَّلِ مُفَكِّرِی الْاِسْلَامِ۔

''ہم نہج البلاغہ کے کچھ منتخبات کے نشر کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ نہج البلاغہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا مقدّس کلام ہے۔ بیشک آپؑ ہی ہیں جن کو اسلام کا سب سے پہلا مفکّر کہا جا سکتا ہے''۔

تعصب کی تاریک فضا سے ہٹ کر ان سنگین شہادتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ فرمایئے کہ کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے؟ ان تمام حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے اس امر کو بھی پیش نظر رکھیئے کہ سید رضیؒ کی شخصیت دیانت وصداقت کے اعتبار سے مشہور ہے۔ غور فرمایئے، ایک ایسی شخصیت جو خلیفۃ المسلمین کی جانب سے نقابت اشراف کے جلیل ترین منصب پر فائز ہو اور اپنے دور میں فقہ واصول، کلام وحدیث وغیرہ کا مرکز سمجھی جاتی ہو اس کے لیے کیوں کر یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ وہ تہمت طرازی اور کذب سے کام لیتے ہوئے کسی اور پر نہیں حضرت علی علیہ السلام پر بہتان وافترا باندھے اور ان کے متعلق صریحی جھوٹ سے کام لے۔

ایک قابل توجہ نکتہ

سید رضیؒ کی علمی صلاحیتیں جس دور میں علمی آفاق پر اپنی ضیا بار کرنوں کی چھوٹ ڈال کر اس کے تاریک شبستانوں کو نورانی بنا رہی تھیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں ایک دو نہیں بیسیوں اہلسنت کے باسواد علما سید رضیؒ کے دوش بدوش موجود تھے ان کی موجودگی میں بہت دشوار تھا کہ کوئی ایک لفظ بھی ایسا لکھ دیا جاتا جو تحقیق واعتبار کے درجہ سے ساقط ہو چہ جائیکہ ایک پوری بسیط کتاب کا وضع کر کے اس کو اسلام کی ایک عظیم ترین شخصیت کی طرف نسبت دے دینا۔ ظاہر ہے کہ اگر واقعاً ایسا ہوتا تو باخبر علما کی جانب سے اعتراضات ہوتے، گرفتیں ہوتیں اور کھلم کھلا سید کی شخصیت کو متہم کرنے کے لیے ان کے خلاف مورچہ بندی کی جاتی لیکن ایسا نہ ہونا خود واضح ثبوت ہے اس ناقابلِ انکار درخشاں حقیقت کا کہ وہ اس کو جعلی یا وضعی نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ سید رضیؒ کی بلند شخصیت کا اگر آپ اندازہ کرنا چاہتے ہوں تو ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی معاصر سید رضی علیہ الرحمہ کا یہ افادہ ملاحظہ فرمایئے:

اَلْبَابُ الْعَاشِرُ فِیْ ذِکْرِ الشَّرِیْفِ اَبِی الْحَسَنِ الْمُوْسَوِیِّ النَّقِیْبِ وَ غُرَرٍ مِنْ شِعْرِہٖ

وَھُوَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وُجُوْھَھُمْ. وَمَوْلِدُہٗ بِبَغْدَادٍ سَنَۃَ تِسْعٍ وَخَمْسِیْنَ وَثَلٰثِمِائَۃٍ. وَابْتَدَءَ بِقَوْلِ الشِّعْرِ بَعْدَ اَنْ جَاوَزَ الْعَشْرَ سِنِیْنَ بِقَلِیْلٍ۔ وَھُوَ اَبْرَعُ اِنْشَاءِ الزَّمَانِ وَاَنْجَبُ سَادَۃِ الْعِرَاقِ یَتَحَلّٰی مَعَ مُحْتَدِّہِ الشَّرِیْفِ وَمَفْخَرِہِ الْمَنِیْفِ بِاَدَبٍ ظَاھِرٍ وَ فَضْلٍ بَاھِرٍ وَ حَظٍّ مِنْ جَمِیْعِ الْمَحَاسِنِ وَافِرٍ. ثُمَّ ھُوَ اَشْعَرُ الطَّالِبِیْنَ مَنْ مَّضٰی مِنْھُمْ وَ مَنْ غَبَرَ عَلٰی کَثْرَۃِ شُعَرَائِھِمُ الْمُغْلِقِیْنَ کَالْحُمَانِیْ وَ ابْنِ طَبَاطَبَا وَابْنِ النَّاصِرِ وَغَیْرِھِمْ۔ وَلَوْ قُلْتُ اِنَّہٗ اَشْعَرُ قُرَیْشٍ لَمْ اَبْعُدْ عَنِ الصِّدْقِ۔

"دسواں باب شریف ابوالحسن موسوی نقیب اوران کے درخشاں اشعار کے بارے میں ہے۔ان کا نسب یہ ہے۔محمد بن حسین بن موسی بن محمد بن موسی بن ابراہیم بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام خدا ان سب کے چہروں کو عزت کرامت فرمائے۔ یہ بغداد میں ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا سن شریف دس سال سے متجاوز نہ ہونے پایا تھا کہ آپ نے شعر کہنا شروع کیا اور آپ اپنے زمانہ کے کامل ترین انشا پرداز اور عراق کے سادات میں سب سے زیادہ شریف ونجیب تھے۔آپ اپنی نسبی شرافت کے علاوہ واضح ادب، درخشاں فضل وشرف اور تمام علمی اور عملی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ اور علویین میں سب سے زیادہ اچھا مذاقِ ادب رکھنے والے تھے اور حمانی ہوں یا ابن طباطبا، ابن ناصر ہوں یا ان کے علاوہ کوئی ادیب، کوئی بھی ان کا مدّمقابل نہیں۔اگر انہیں اشعر قریش کہا جائے تو حرف بحرف صحیح ہوگا۔"

موصوف کا سن وفات ۴۰۶ھ اور محل دفن محلہ کرخ مسجد انبارین ہے۔کیا ایسی بلند ترین شخصیت کے متعلق یہ خیال بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی کتاب کو صرف دنیا کو دھوکا اور فریب دینے کی نیت سے غلط طریقہ پر کسی جانب منسوب کر دے۔خود غور کیجیے ایسا جلیل کلام جو مستقبل میں دنیائے ادب کا گل سرسبد، شبستان فصاحت کا روشن چراغ، گلشن فصاحت وبلاغت کا سدا بہار نہال بارور اور فلک اعجاز وکرامت کا اختر تابندہ بننے والا تھا کوئی شخص یہ سمجھنے کے باوجود کہ اس کی نسبت حاصل ہو جانے کے بعد اسے اقلیم فصاحت وبلاغت کی تاجداری مل سکتی ہے اپنی طرف نسبت دینے کے بجائے کسی دوسرے کی طرف نسبت دے ہی کیسے سکتا ہے۔دلوں میں شہرت خواہی کے جذبے فطری طور پر موجود ہوتے ہیں اور شہرت کا میدان وہ ہے جس میں خون کے رشتے بھی اس قسم کے ایثار کے نمونے پیش کرنے سے قاصر ہیں چہ جائیکہ مذہبی رابطے، بلاشبہ یہ مجموعہ سید

رضیؒ کی تالیف ہوتا تو وہ اسے حضرت علی علیہ السلام کی طرف نسبت دینے کے بجائے اپنی ہی طرف نسبت دیتے۔

نہج البلاغہ کی شرحیں

مشکل سے نہج البلاغہ کے علاوہ کوئی ایسی کتاب دستیاب ہوگی جس کی اتنی شرحیں لکھی گئی ہوں۔ ذیل میں شروح نہج البلاغہ کی ایک اجمالی فہرست درج کی جاتی ہے (۱) شرح علامہ ابن ابی الحدید معتزلی (۲) شرح قوام الدین یوسف ابن حسن (۳) مفتی محمد عبدہ (۴) حسن نائل مرصفی۔ یہ سب شارحین علمائے اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیعہ علما میں سے جن جن لوگوں نے اس مقدس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں ان کے اسماء حسب ذیل ہیں (۱) علامہ جیّد سیّد علی بن ناصر (۲) علامہ قطب الدین راوندی ان کی شرح کا نام منہاج البراعہ ہے (۳) علامہ نبیل سید جلیل سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ (۴) علامہ ابن میثم بحرانی (۵) شیخ جلیل قطب الدین محمد بن حسین اسکندری۔ ان کی شرح کا نام اصباح ہے (۶) شیخ حسین بن شہاب الدین حیدر علی عاملی کرکی (۷) شیخ نظام الدین علی ابن الحسین ابن نظام الدین جیلانی۔ ان کی شرح کا نام انوار الفصاحۃ واسرار البلاغہ ہے (۸) علامہ سید میرزا علاء الدین محمد ابن ابی تراب الحسینی مشہور بہ فاضل گلستان۔ ان کی شرح کا نام حدائق الحدائق ہے (۹) فاضل زواری۔ ان کی شرح کا نام روضۃ الابرار ہے (۱۰) ملا فتح اللہ کاشانی (۱۱) علامہ سید ماجد بن محمد بحرانی۔

علاوہ بریں اور بھی شرحیں ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ اس محل پر باعثِ طول ہے اس لیے ان کے تذکرہ کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ ایک مشہور مسلمہ ہے کہ کسی متن کی شرحوں کا زیادہ ہونا جلالت متن کی دلیل ہوتا ہے، اس لیے نہج البلاغہ کی شرحوں کی کثرت سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ اس کی منزلت کتنی رفیع ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

کچھ لوگوں نے نہج البلاغہ کے کلام علی علیہ السلام ہونے سے اس بنا پر بھی انکار کیا ہے کہ اس میں صدر اول میں جو تحریر کا انداز یا خطابت کا ایک خاص ڈھنگ تھا وہ اکثر و بیشتر مقامات پر نظر نہیں آتا۔ مثلاً عبارت میں محاسن لفظی و معنوی کا التزام، سجع و ترصیع کی مراعات، یہ صدر اول کے خطبا کا دستور نہیں تھا۔ ان کی عبارتیں ان تکلفات سے پاک ہوتی تھیں۔ نہج البلاغہ میں ان چیزوں کی بھرمار سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس کی وضع صدر اول کے بعد ہوئی ہے۔

اس استدلال میں جو وہن اور کمزوری ہے وہ اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ کیا قرآن مجید میں صناعات موجود نہیں ہیں؟ کیا اس میں کثیر مقامات پر سجع دستیاب نہیں ہوتا؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے معمولی فہم و ادراک رکھنے والے بھی

انکارنہیں کر سکتے۔غور فرمائیے کیا ﴿ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ میں صنعت قلب موجود نہیں؟ کیا ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰﴾ میں صنعت سجع موجود نہیں؟ ایک دو نہیں بیشمار مقامات پر قرآن مجید میں صنائع و بدائع کا استعمال موجود ہے تو اس نظریہ کی بنا پر دو باتوں میں سے ایک بات کا قائل ہونا ضروری ہے۔ یہ چیزیں صنائع و بدائع سے خارج ہیں یا یہ کلام صدر اوّل کا کلام ہی نہیں۔مگر ان دونوں باتوں کا اقرار ناممکن ہے۔قرآن یقینی طور پر صدر اوّل سے متعلق ہے اور یہ تمام چیزیں مسلم طور پر صنائع و بدائع کی حد میں داخل ہیں۔

بنابریں نتیجہ بالکل واضح ہے کہ سجع یا دیگر محاسنِ کلام کی وجہ سے نہج البلاغہ کے متعلق یہ شبہ کرنا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں بالکل غلط ہے۔ بیشک علم معانی و بیان کی تدوین صدر اوّل کے بعد ہی ہوئی جس طرح کہ علم نحو و صرف وغیرہ کی تدوین تفصیلی طور پر صدرِ اوّل کے بعد ہی ہوئی ہے۔لیکن ان تمام علوم کے اصول صدر اوّل یا اس کے قبل ہی کے زمانہ سے ماخوذ ہیں۔فرق جو کچھ ہے وہ اتنا ہے کہ ان علوم کی تدوین کے بعد سجع و ترصیع یا دیگر صنائع و بدائع اربابِ فن کی صحت و غلطی کے لیے ایک معیار کی حیثیت اختیار کر گئے اور قبل میں وہ خود ان اصول وضوابط کے استخراج و استنباط کا سرچشمہ و منبع تھے۔ بنابریں ان کے وجود سے تو بہر حال انکار ہی نہیں کیا جا سکتا ہے صرف ان کی حیثیت کے متعلق غور و خوض کیا جانا ممکن ہے۔

بحروں کا وجود بہت بعد میں ہوا ہے،لیکن جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے جتنے اشعار آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ کسی نہ کسی بحر کے پابند نظر آئیں گے،تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ تمام کے تمام اشعار وضعی ہیں؟ بالکل واضح ہے کہ ایسا کہنا ناممکن ہے۔جاہلیت کے زمانہ میں الفاظ کو جن صرفی قواعد کی پابندیوں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ان کا اس وقت نام و نشان بھی نہ تھا اور واضعینِ صرف نے انہیں بہت بعد میں وضع کیا ہے مگر ان تمام چیزوں کے باوجود آپ اس انکار پر قادر نہیں کہ ان کا تعلق زمانۂ جاہلیت سے نہیں ہے، ہے اور ضرور ہے۔بس بات اتنی سی ہے کہ اس دور میں ان ضوابط و قواعد کی روشنی میں ان کا استعمال نہیں کیا گیا اور بعد میں ان کی رعایت ان اصول وضوابط کے ماتحت کی گئی ہے۔

ذوقِ سلیم موزونیت کا سرچشمہ ہے اور خوش طبعی کسی تتبع کے بغیر خود ہی محاسنِ کلام کی خالق بن جایا کرتی ہے۔اکثر ان عورتوں تک کو جنہیں فنی نکات کی ہوا تک نہیں لگی ہے یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ہمارے کلام میں سکتہ آ ہی نہیں سکتا۔ یہ تو بہت دُور کے دَور کی بات ہے۔ یا جاہل لوگوں کی زبان سے اتفاقی طور پر ایسے کلام سننے میں آتے ہیں جو انہوں نے شعر کی نیت سے استعمال نہیں کئے تھے مگر وہ حقیقتاً شعر تھے،تو کیا فطرت کے اس تلقین کیے ہوئے جرم کی بنا پر وہ اس سزا کے مستوجب ہیں کہ ان کے کلام کو ان کا کلام ہی نہ سمجھا جائے۔نہیں اور ہرگز نہیں۔

کچھ لوگوں نے نفس سجع ہی کو عیب قرار دیا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے سجع کی مخالفت فرمائی ہے۔ اس سے کم سے کم اتنا تو استدلال کرنے کا موقع مل ہی جاتا ہے کہ سجع جسے عہدِ متأخر سے متعلق قرار دیا جاتا ہے اُس کا وجود عہدِ نبوی سے ثابت ہے ورنہ اگر سجع کا وجود ہی نہ تھا تو ممانعت کس چیز کی کی گئی ہے۔ رہ گیا اس حدیث کی صحت کا سوال تو وہ اس سے واضح ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خود اپنے کلام میں اکثر و بیشتر مقامات پر سجع کی مراعات فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے کچھ عورتوں کو مخاطبِ کلام قرار دے کر کہ "فَارْجِعِيْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ" صرفی قاعدہ سے اس محل پر مازورات کے بجائے موزورات ہونا چاہیئے تھا لیکن صرف سجع کا خیال کرتے ہوئے صرفی نقصان وعیب کا خیال کیے بغیر مازورات کا موزورات کے بجائے استعمال وزنی ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ پیغمبر اسلامؐ کی نگاہ میں سجع کی اہمیت کیا تھی۔

رہ گیا یہ امر کہ اگر سجع کوئی اچھی چیز تھی تو قرآن پورا کا پورا سجع میں کیوں نازل نہ کیا گیا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ قرآن تقریباً کل کا کل ہی سجع کی صنعت پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ سورۂ رحمن، سورۂ دہر، سورۂ والشّمس، سورۂ کہف، سورۂ قمر، سورۂ طٰہٰ، سورۂ ناس، سورۂ اعلیٰ اور دیگر سوروں کا مطالعہ کرنے سے اس حقیقت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن بعض مقامات پر سجع سے انحراف پایا جاتا ہے اس کی ایک خاص وجہ ہے جسے صاحب "مثل السائر" نے تحریر فرمایا ہے کہ

اَكْثَرُ الْقُرْاٰنِ مَسْجُوْعٌ حَتّٰى اَنَّ السُّوْرَةَ التَّانِيَ كُلُّهَا مَسْجُوْعَةٌ وَمَا مَنَعَ اَنْ يَّاتِيَ الْقُرْاٰنُ كُلُّهٗ مَسْجُوْعًا اِلَّا اَنَّهٗ سَلَكَ مَسْلَكَ الْاِيْجَازِ وَالْاِخْتِصَارِ وَالسَّجْعُ لَا يُوَالِيْ كُلَّ مَوْضَعٍ مِنَ الْكَلَامِ عَلٰى حَدِّ الْاِيْجَازِ وَالْاِخْتِصَارِ فَتَرَكَ اِسْتِعْمَالَهٗ فِيْ جَمِيْعِ الْقُرْاٰنِ لِهٰذَا السَّبَبِ وَ هٰهُنَا وَجْهٌ اٰخَرُ هُوَ اَقْوٰى مِنَ الْاَوَّلِ۔

"قرآن کا اکثر و بیشتر حصہ مشتمل بر سجع ہے یہاں تک کہ بعض سورہ تو ایسے ہیں جو از اول تا آخر صنعت سجع کے حامل ہیں۔ جن بعض مقامات پر سجع کا استعمال نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کلام موجز و مختصر ہے اور سجع کی وجہ سے جن بعض مقامات پر ایجاز سے ہٹنا ناگزیر ہو گیا تھا وہاں اسے ایک ادبی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کیا گیا اور جو صنعتِ ایجاز اس سے بھی زیادہ قوی تھے اسے اختیار کیا گیا۔"

کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نہج البلاغہ میں ایسے الفاظ و اصطلاحات ملتے ہیں جو صدر اوّل کے بعد کے پیدا شدہ ہیں جیسے کہ ازلیت، کیفیت، تجزی وغیرہ۔ ان الفاظ کا نہج البلاغہ میں موجود ہونا گویا ان کے نزدیک ثبوت ہے اس امر کا کہ یہ کلام ہی مولّد اور بعد کی پیداوار ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے شبہ کی عمارت بلند کرتے وقت یہ خیال نہ کیا کہ انہوں نے

جن الفاظ کو مولّد تسلیم کرتے ہوئے نہج البلاغہ میں ان کی موجودگی کی بنا پر اسے کلام علی علیہ السلام ہی ماننے سے انکار کر دیا، ان کو عہد متأخر کے واضعینِ الفاظ واصطلاحات کی وضع وتخلیق کا نتیجہ قرار ہی کیوں دیا جائے، یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ان فنی الفاظ و اصطلاحات کے واضع وموجد متاخرین نہیں بلکہ حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔ آپؑ نے جس طرح علم نحو وغیرہ کا سنگ بنیاد رکھ کر اس کی واضعیت کا امتیاز حاصل فرمایا ہے اسی طرح آپؑ ان الفاظ کے بھی موجد ہیں۔

علاوہ برایں مولّد اس لفظ کو کہتے ہیں جس کا اہل لغت نے کہیں تذکرہ نہ کیا ہوا اور وہ کسی ایسے شخص کے کلام میں مذکور ہو جس کا قول سند ہونے کے اعتبار سے قابلِ احتجاج نہ ہو۔ اگر کسی کلمہ کا اہل لغت نے تذکرہ نہ کیا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کے کلام میں دستیاب ہو جس کا قول مستند سمجھا جاتا ہو تو اس کو مولّد کہنا صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی اردو کا لفظ اردو لغت میں موجود نہ ہو مگر غالبؔ، میرؔ، سوداؔ یا آتشؔ وغیرہ نے استعمال کیا ہو تو ان کا استعمال خود ثبوت ہوگا اس امر کا کہ یہ لغت اردو کے دائرہ میں داخل ہے اور ارباب لغت کا اسے اپنے دامن میں جگہ نہ دینا یہ ان کی فروگذاشت ہے۔ ثقات کے کلام محاوروں سے نہیں، محاورے ثقات کے کلام سے بنا کرتے ہیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام جیسی مستند شخصیت کے کلام میں ایسے لغات کی موجودگی جو معاجم عربیہ میں موجود نہ ہوں، اگر ثابت بھی ہو جائے تو انہیں مولّد سے تعبیر نہ کیا جا سکے گا کیوں کہ ان کی شخصیت استعمال الفاظ میں لغت کی نہیں، لغت الفاظ کی جمع وتالیف میں ان کے استعمال کا محتاج ہے۔

ایک اور مہمل ایراد

بعض لوگوں نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ نہج البلاغہ میں کہیں کہیں دخیل کے آثار بھی محسوس ہوتے ہیں یعنی ایسے الفاظ بھی نظر آتے ہیں جو دراصل عربی نہیں ہیں اور انہیں دوسری زبانوں سے عربی اصول وقواعد کے لحاظ سے بلا کسی تغیّر کے یا معمولی سے تغیّر کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے جیسا کہ اس کے ثبوت میں خطبہ قاصعہ کو پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دخیل کی موجودگی میں اس شبہ کی قوی بنیاد ہے کہ یہ الفاظ بعد میں کسی مصلحت کی بنا پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد پر اوّل تو کل نہج البلاغہ کے متعلق یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ وہ موضوع ہے، کیونکہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ان الفاظ کو الحاقی کہا جا سکتا ہے جن کے دخیل ہونے کا ثبوت فراہم ہو جائے نہ کہ کل نہج البلاغہ کو۔ دوسرے یہ کہ اگر دخیل کے وجود ہی کو وضع والحاق کی اساس مانا جائے تو پھر قرآن کے متعلق کیا کہا جائے گا جس کے متعلق محیّ الدین خیاط مصری ترجمہ دیوان ابوتمام میں تحریر فرماتے ہیں کہ

تَرٰی بَعْضُ الْکَتَبَةِ وَالشُّعَرَاءِ یَابٰی وَ یَانِفُ عَنْ اِسْتِعْمَالِ الدَّخِیْلِ وَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ

الْقُرْاٰنَ الْكَرِيْمَ نَفْسَهٗ اُسْتُعْمِلَ الدَّخِيْلَ مَعَ وُجُوْدِ الْمُرَادِفِ لَهٗ۔

"تم دیکھتے ہو کہ بعض انشا پرداز اور شعرا دخیل کے استعمال سے ناخوشگواری محسوس کرتے ہیں حالاں کہ انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ قرآن کریم نے خود اپنی اعجازی شان کے باوجود دخیل کا استعمال کیا ہے جیسا کہ خط قرطاس وغیرہ اس کے شاہد ہیں"۔

نہج البلاغہ کے متعلق اس کے بعض شارحین کے خیالات

(۱) شیخ محمد حسن نائل مرصفی مدرس البیان بکلیۃ العزیز الکبری بمصر تحریر فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ كَانَ الْمَجَلّٰى فِيْ هٰذِهِ الْخُطْبَةِ عَلِيٌّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ مَا حَسْبُنِيْ اَحْتَاجَ فِيْ اِثْبَاتِ هٰذَا اِلٰى دَلِيْلٍ اَكْثَرَ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِكَ الْكِتَابِ الَّذِيْ اَقَامَهُ اللّٰهُ حُجَّةً وَاضِحَةً عَلٰى اَنَّ عَلِيًّا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ كَانَ اَحْسَنَ مِثَالٍ حَيٍّ لِّنُوْرِ الْقُرْاٰنِ وَ حِكْمَتِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ هِدَايَتِهٖ وَ اِعْجَازِهٖ وَ فَصَاحَتِهٖ. اِجْتَمَعَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مَا لَمْ يَجْتَمِعْ لِكِبَارِ الْحُكَمَآءِ وَ اَفْذَاذِ الْفَلَاسِفَةِ وَ نَوَابِغِ الرَّبَّانِيِّيْنَ مِنْ اٰيَاتِ الْحِكْمَةِ السَّامِيَةِ وَ قَوَاعِدِ السِّيَاسَةِ الْمُسْتَقِيْمَةِ۔

"میدانِ فصاحت و بلاغت کے جوادِ سابق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اس دعوے کے اثبات کے لیے نہج البلاغہ کے بعد کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یہ کتاب وہ ہے جسے اللہ نے اس امر کی واضح حجت قرار دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام قرآن کے نور و اعجاز، اس کی حکمت و بلاغت اور علم و ہدایت کی زندہ مثال تھے۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے آپ بلند و بالا حکمت کے آیات اور مستقیم سیاست کے قواعد کی حیثیت سے بڑے بڑے حکماء، شہرۂ آفاق بلغاء اور باکمال ربانی فلسفہ کے یہاں بھی نہ پاسکیں گے۔"

فاضل موصوف کے اس افادہ نے نہج البلاغہ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ مجموعہ درحقیقت حضرت علی علیہ السلام ہی کا کلام ہے اور اسے سید رضی یا کسی اور کی تصنیف قرار دینا قطعی غلط ہے۔

(۲) فاضل غمراوی کا افادہ

شارح مرصفی کی شرح نہج البلاغہ کا جو بسیط مقدمہ دار الکتب العربیہ الکبری کے مصحّح محمد زہری غمراوی نے تحریر کیا ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

فَقَدِ اشْتَمَلَتْ مَقَالَاتُهٗ عَلَى الْمَوَاعِظِ الزُّهْدِيَّةِ وَ الْمَنَاهِجِ السِّيَاسِيَّةِ وَ الزَّوَاجِرِ الدِّيْنِيَّةِ وَ الْحِكَمِ النَّفِيْسَةِ وَ الْاٰدَابِ الْخُلُقِيَّةِ وَ الدُّرَرِ التَّوْحِيْدِيَّةِ وَ الْاِشَارَاتِ الْغَيْبِيَّةِ وَ الرُّدُوْدِ عَلَى الْخُصُوْمِ وَ النَّصَآئِحِ عَلٰى وَجْهِ الْعُمُوْمِ وَ قَدِ احْتَوٰى عَلٰى غُرَرِ كَلَامِهٖ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الَّذِىْ جَمَعَهٗ وَ هَذَّبَهٗ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرٍ الْمَشْهُوْرِ بِالشَّرِيْفِ الرَّضِىْ۔

"حضرت علی علیہ السلام کے مقالات راہنمائے زہد موعظوں، سیاسی شاہراہوں، دینی جھڑکیوں، نفیس حکمتوں، اخلاقی تعلیموں، توحید کے جواہر پاروں، غیبی اشاروں، مخالفوں کے دندان شکن جوابوں اور ہمہ گیر نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ آپؑ کے درخشاں کلام کی جامع وہ کتاب نہج البلاغہ ہے جسے ابوالحسن محمد بن طاہر المعروف بہ سید رضیؒ نے تالیف کیا ہے۔"

یہ استشہاد بھی سابق کے استشہاد کی طرح نہج البلاغہ کی جلالت قدر و عظم مرتبت کے ساتھ اس حقیقت کا پردہ چاک کر رہا ہے کہ رضیؒ اس کے جامع کی حیثیت رکھتے ہیں اور درحقیقت یہ کلام حضرت علیؑ کا ہے۔

(۳) (مصطفیٰ البابی) جس کتاب سے مذکورہ بالا شہادتیں درج کی گئی ہیں اس کے ٹائیٹل پر مصطفیٰ البابی جو کہ علمائے اہل سنت میں سے ہیں یہ عبارت تحریر کرتے ہیں:

اَلْجُزْءُ الْاَوَّلُ مِنْ كِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْجَامِعِ الْكُتُبِ وَ رَسَائِلَ مَوْلَانَا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِىْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَمَعَهُ الْاِمَامُ اللُّغَوِىُّ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدِ الْحُسَيْنِىُّ اَلْمُلَقَّبُ بِشَرِيْفِ الرَّضِىْ۔

"یہ کتاب نہج البلاغہ کا جو کہ ہمارے سید و آقا حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کتب و رسائل کا مجموعہ ہے اور جسے لغت عربی کے مسلّم الثبوت امام محمد بن احمد حسینی المقلب بہ شریف رضی نے تالیف کیا ہے اُس کا پہلا جزو ہے۔"

یہ گواہی بھی اپنے اختصار کے باوجود نہج البلاغہ کے کلام علی علیہ السلام ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

(۴) علّامہ محمد عبدہ کا افادہ:

وَ بَعْدُ فَقَدْ اَوْفٰى لِىْ حُكْمُ الْقَدَرِ بِالاطِّلَاعِ عَلٰى كِتَابِ (نَهْجِ الْبَلَاغَةِ) مُصَادِفَةً بِلَا تَعَمُّلٍ۔ اَصَبْتُهٗ عَلٰى تَغَيُّرِ حَالٍ وَ تَبَلْبُلِ بَالٍ، وَ تَزَاحُمِ اِشْغَالٍ، وَ عُطْلَةٍ مِنْ اَعْمَالٍ۔ فَحَسِبْتُهٗ

تَسْلِيَةً، وَ حِيْلَةً لِلتَّخْلِيَةِ فَتَصَفَّحْتُ بَعْضَ صَفْحَاتِهٖ، وَ تَاَمَّلْتُ جُمْلًا مِنْ عِبَارَاتِهٖ، مِنْ مَوَاضِعَ مُخْتَلِفَاتٍ، وَ مَوْضُوْعَاتٍ مُتَفَرِّقَاتٍ۔ فَكَانَ يَخِيْلُ اِلَيَّ فِيْ كُلِّ مَقَامٍ اَنَّ حُرُوْبًا شَبَّتْ، وَ غَارَاتٍ شَنَّتْ، وَ اَنَّ لِلْبَلَاغَةِ دَوْلَةً، وَّ لِلْفَصَاحَةِ صَوْلَةً، وَ اَنَّ لِلْاَوْهَامِ عَرَامَةً وَّ لِلرَّيْبِ دَعَارَةً۔ وَ اَنَّ جَحَافِلَ الْخِطَابَةِ، وَ كَتَآئِبَ الذَّرَابَةِ فِيْ عُقُوْدِ النِّظَامِ، وَ صُفُوْفِ الْاِنْتِظَامِ، تُنَافِحُ بِالصَّفِيْحِ الْاَبْلَجِ وَ الْقَوِيْمِ الْاَمْلَجِ، وَ تَمْتَلِجُ الْمَهَجَ بِرَوَاضِعِ الْحُجَجِ۔ فَتَفُلُّ مِنْ دَعَارَةِ الْوَسَاوِسِ وَ تَصِيْبُ مَقَاتِلَ الْخَوَانِسِ۔ وَ الْبَاطِلُ مُنْكَسِرٌ، وَ مَرَجُ الشَّكِّ فِيْ خُمُوْدٍ وَ هَرَجُ الرَّيْبِ فِيْ رُكُوْدٍ. وَ اَنَّ مُدَبِّرَ تِلْكَ الدَّوْلَةِ، وَ بَاسِلَ تِلْكَ الصَّوْلَةِ، هُوَ حَامِلُ لِوَآئِهَا الْغَالِبِ، اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ۔

”مَیں نے جب فیصلہ فرمائے قضاوقدر کے فرمان کے مطابق اپنے بدلے ہوئے نظام حالات، اضطراب فکر اور فراوانیٔ افکار کے عالم میں سرسری طور پر مفکّر اسلام حضرت علی علیہ السلام کے مجموعۂ کلام نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا تو وہ میرے اضطراب کے لیے پیغامِ سکون اور خاطرِ پریشاں کے لیے افکار کی زنجیروں سے رہائی دلانے والا بن گیا۔ میں نے اس مبارک کتاب کے مختلف مقامات دیکھے، ان تمام مقامات کا مطالعہ کرتے وقت کسی مقام پر تو جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے، دشمن کی صفوں پر وار ہونے والی غارتیں نظر آئیں اور میں نے دیکھا کہ بلاغت کی حکومت ہے، فصاحت حملہ کر رہی ہے، واہمے اپنے بدسرشتی اور شکوک اپنی بدخلقی کے ساتھ صف آرا ہیں اور علوی خطابت کے لشکر اور حیدری تیزیٔ زبان کی فوجیں پرے باندھے ہوئے فصاحت کی درخشاں شمشیر اور بلاغت کے گندم گوں نیزوں سے دشمنانِ حق کا خونِ دل چوس رہی ہیں، شکوک کی بدسرشتی کو شکست دے رہی ہیں اور برے ارادوں کو ہلاک کر رہی ہیں اور گویا میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں کہ باطل کی فوجیں ٹوٹ رہی ہیں، حق فتحیاب ہو رہا ہے، شک کی بے چینی کی آگ بجھ رہی ہے اور شبہ کا اضطراب مٹ رہا ہے اور اس سلطنت کا تاج علی بن ابی طالبؑ کے سر پر ہے اور اس میدان کے مرد صرف وہی ہیں“۔

بَلْ كُنْتُ كُلَّمَا اِنْتَقَلْتُ مِنْ مَّوْضِعٍ اِلٰى مَوْضِعٍ اَحُسُّ بِتَغَيُّرِ الْمُشَاهِدِ، وَ تَحَوُّلِ الْمُعَاهِدِ: فَتَارَةً كُنْتُ اَجِدُنِيْ فِيْ عَالَمٍ يَّغْمُرُهٗ مِنَ الْمَعَانِيْ اَرْوَاحٌ عَالِيَةٌ، فِيْ حُلَلٍ مِّنَ الْعِبَارَاتِ الزَّاهِيَةِ، تَطُوْفُ عَلَى النُّفُوْسِ الزَّاكِيَةِ، وَ تَدْنُوْ مِنَ الْقُلُوْبِ الصَّافِيَةِ: تُوْحِيْ اِلَيْهَا رَشَادُهَا، وَ تَقُوْمُ مِنْهَا مُرَادُهَا، وَ تَنْفُرُ بِهَا عَنْ مُّدَاحِضِ الْمَزَالِ، اِلٰى جَوَادِ الْفَضْلِ وَ

الْکَمَالِ.

’’بلکہ میری حالت تو یہ تھی کہ جب میں ایک عبارت سے دوسری عبارت تک پہنچتا تھا تو نقشہ ہی دوسرا نظر آتا، کبھی میں اپنے کو ایسی دنیا میں پاتا تھا جہاں مفاہیم کی بلند روحیں عبارتوں کے دل آویز پیراہن پہنے ہوئے آباد ہیں اور دلوں کے پاکیزہ کاشانوں کا طواف کر رہی ہیں اور صاف ضمیروں کے پہلوں میں ایک ہمدم کی طرح بیٹھی ہوئی انہیں رشد و ہدایت کے افسانے سنا کر ان کی کجی کو درست کر رہی ہیں اور خطا و لغزش کے مقامات سے ہٹا کر فضل و کمال کی منزل کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں‘‘۔

وَ طَوْرًا کَانَتْ تَتَکَشَّفُ لِیَ الْجُمَلُ عَنْ وُّجُوْہٍ بَاسِرَۃٍ، وَ اَنْیَابٍ کَاشِرَۃٍ، وَ اَرْوَاحٌ فِیْٓ اَشْبَاحِ النُّمُوْرِ، وَ مُخَالِبِ النُّسُوْرِ، قَدْ تَحَفَّزَتْ لِلْوِثَابِ، ثُمَّ اِنْقَضَّتْ لِلِاخْتِلَابِ فَخَلِبَتِ الْقُلُوْبُ عَنْ ھَوَاھَا، وَ اَخَذَتِ الْخَوَاطِرُ دُوْنَ رِمَاھَا، وَ اغْتَالَتْ فَاسِدُ الْاَھْوَآءِ وَ بَاطِلُ الْاٰرَآءِ۔

’’کسی مقام پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بگڑے ہوئے چہرے، کھلے ہوئے دندان، تیز حملوں کے پیکر میں رونما ہیں۔ اور روحیں چیتوں کے جسموں اور گدھوں کے پنجوں سمیت حملوں کی تیاری کر رہی ہیں، پھر یکا یک انہوں نے حملہ کر کے سب کے دل ان کی خواہشوں کی جانب سے موڑ دیے اور بری خواہشیں ان کے دل سے نکال لی گئیں‘‘۔

وَ اَحْیَانًا کُنْتُ اَشْھَدُ اَنَّ عَقْلًا نُوْرَانِیًّا لَّا یُشْبِہُ خَلْقًا جَسَدَانِیًّا، فَصَلَ عَنِ الْمَوْکِبِ الْاِلٰھِیِّ وَ اتَّصَلَ بِالرُّوْحِ الْاِنْسَانِیِّ، فَخَلَعَہٗ عَنْ غَاشِیَاتِ الطَّبِیْعَۃِ، وَ سَمَا بِہٖ اِلَی الْمَلَکُوْتِ الْاَعْلٰی، وَ نَمَا بِہٖ اِلٰی مَشْھَدِ النُّوْرِ الْاَجْلٰی، وَ سَکَنَ بِہٖ اِلٰی عِمَارِ جَانِبِ التَّقْدِیْسِ، بَعْدَ اِسْتِخْلَاصِہٖ مِنْ شَوَآئِبِ التَّلْبِیْسِ۔ وَ اٰنَاتٍ کَاَنِّیْٓ اَسْمَعُ خَطِیْبَ الْحِکْمَۃِ یُنَادِیْ بِاَعْلٰی یَآءِ الْکَلِمَۃِ، وَ اَوْلِیَآءِ اَمْرِ الْاُمَّۃِ، یُعَرِّفُھُمْ مَوَاقِعَ الصَّوَابِ، وَ یُبَصِّرُھُمْ مَوَاضِعَ الْاِرْتِیَابِ، وَ یُحَذِّرُھُمْ مَزَالِقَ الْاِضْطِرَابِ، وَ یُرْشِدُھُمْ اِلٰی دَقَآئِقِ السِّیَاسَۃِ، وَ یَھْدِیْھِمْ طُرَقَ الْکِیَاسَۃِ، وَ یَرْتَفِعُ بِھِمْ اِلٰی مَنْصَاتِ الرِّئَاسَۃِ وَ یُصْعِدُھُمْ شُرَفَ التَّدْبِیْرِ، وَ یَشْرُفُ بِھِمْ عَلٰی حُسْنِ الْمَصِیْرِ.

’’پھر کسی محل پر یہ دیکھتا تھا کہ ایک نورانی عقل جس کو کسی جسمانی چیز سے کوئی مشابہت ہی نہیں، اپنے لشکر سے جدا ہو کر انسانی روح کے پہلو میں آئی اور اس نے اسے طبیعت کے پردوں سے معرّا کر کے ملکوتِ اعلیٰ کی منزل تک بلند کر دیا اور ترقی دے کر وہاں پہنچا دیا ہے جو کہ درخشاں ترین نور کی شہادت گاہ ہے اور مکر و

فریب کے شائبوں سے چھٹکارا دے کر پہلوئے پاکیزگی کی آبادی میں سکونت گزیں بنا دیا ہے۔اس عالم سے پلٹتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطیبِ حکمت، بزرگانِ دین اور اولیائے امّت کو ندا دے رہا ہے اور راستی کے مقامات پہچنوا رہا ہے، مواضع شک وریب سے بچا رہا اور قواعدِ سیاست اور آداب فہم وفراست کی تعلیم دے رہا ہے، جس سے وہ منصۂ ریاست پر فائز ہوں اور بلندیٔ تدبیر پر پہنچ کر خوبیٔ انجام سے کامیاب ہوں''۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ الْجَلِيْلُ هُوَ جُمْلَةُ مَااخْتَارَهُ السَّيِّدُالشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ مِنْ كَلَامِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ۔ جَمَعَ مُتَفَرِّقَةً وَسَمَّاهُ بِهٰذَا الْاِسْمِ ''نَهْجِ الْبَلَاغَةِ'' وَلَا اَعْلَمُ اسْمًا اَلِيْقَ بِالدَّلَالَةِ عَلٰى مَعْنَاهُ مِنْهُ۔ وَلَيْسَ فِيْ وُسْعِيْ اَنْ اَصِفَ هٰذَا الْكِتَابَ بِاَزْيَدَ مِمَّا دَلَّ عَلَيْهِ اسْمُهٗ. وَلَا اَنْ آتِيَ بِشَيْئٍ فِيْ بَيَانِ مَزِيَّتِهٖ فَوْقَ مَا اَتٰى بِهٖ صَاحِبُ الْاِخْتِيَارِ كَمَا سَتَرٰى فِيْ مُقَدَّمَةِ الْكِتَابِ۔ وَلَوْلَا اَنَّ غَرَائِزَ الْجِبِلَّةِ، وَقَوَاضِيَ الذِّمَّةِ، تَفْرِضُ عَلَيْنَا عِرْفَانَ الْجَمِيْلِ لِصَاحِبِهٖ، وَشُكْرَ الْمُحْسِنِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ، لَمَا احْتَجْنَا اِلَى التَّنْبِيْهِ عَلٰى مَا اَوْدَعَ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ ،مِنْ فُنُوْنِ الْفَصَاحَةِ ۔وَمَا خُصَّ بِهٖ مِنْ وُجُوْهِ الْبَلَاغَةِ خُصُوْصًا. وَهُوَ لَمْ يَتْرُكْ غَرَضًا مِنْ اَغْرَاضِ الْكَلَامِ اِلَّا اَصَابَهٗ وَلَمْ يَدَعْ لِلْفِكْرِ مَمَرًّا اِلَّا جَابَهٗ۔

''وہ کتاب جس میں ان اوصاف کا خزانہ ہے وہی مجموعہ ہے جسے سید رضی علیہ الرحمۃ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پراگندہ ومتفرق کلام کے منتخب وچیدہ حصّوں سے تالیف کر کے نہج البلاغہ کے مبارک نام کے ساتھ موسوم قرار دیا ہے۔اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی اور موزوں ومناسب نام تھا بھی نہیں۔ یقیناً میرے امکان سے باہر ہے کہ میں اس کتاب کی جتنی کہ خود اس کے نام نے اس کی جانب رہبری کی ہے اس سے زائد رہبری کرسکوں۔اور ترجمانیٔ امتیاز وشرف کے محل میں شریف رضیؒ نے جو کچھ وارد کر دیا ہے اس سے زائد بیان کرسکوں بیشک اگر صاحبِ احسان کی معرفت اور محسن کے احسان پر اس کے شکر کرنے کو فطرت کی طبعی قوتیں اور ذمّہ داری کے احکام ہم پر فرض نہ کر دیتے تو نہج البلاغہ کے اندر جو مختلف فصاحت کے شعبے اور بلاغت کے خصائص ودیعت کیے گئے ہیں ہمیں ہرگز ان کی جانب متوجہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ بلاشبہ یہی وہ کتاب ہے جس نے اغراض کلام میں سے کوئی غرض ایسی نہیں چھوڑی ہے جسے پا نہ لیا ہو اور فکر کا کوئی راستہ ایسا باقی نہیں رکھا ہے جس کو طے نہ کیا ہو''۔

اِلَّا اَنَّ عِبَارَاتِ الْكِتَابِ لِبُعْدِ عَهْدِهَا مِنَّا، وَانْقِطَاعِ اَهْلِ جِيْلِنَا عَنْ اَصْلِ لِسَانِنَا قَدْ نَجِدُ فِيْهَا غَرَائِبَ اَلْفَاظٍ فِيْ غَيْرِ وَحْشِيَّةٍ، وَجَزَالَةَ تَرْكِيْبٍ فِيْ غَيْرِ تَعْقِيْدٍ، فَرُبَّمَا وَقَفَ فَهْمُ الْمُطَالِعِ دُوْنَ الْوُصُوْلِ اِلٰى مَفْهُوْمَاتِ بَعْضِ الْمُفْرَدَاتِ اَوْ مَضْمُوْنَاتِ بَعْضِ الْجُمَلِ ۔وَلَيْسَ ذٰلِكَ ضُعْفًا فِيْ اللَّفْظِ اَوْ وَهَنًا فِيْ الْمَعْنٰى وَاِنَّمَا هُوَ قُصُوْرٌ فِيْ ذَهْنِ الْمُتَنَاوِلِ۔

''مگر چونکہ عباراتِ کتاب میں ہمارے عہد کے بعد اور اصل زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے کچھ وحشت سے دور غریب الفاظ اور تعقید سے پاک، جزیل، شاندار ترکیبیں ایسی دستیاب ہوتی ہیں جن تک مطالعہ کرنے والوں کا فہم اکثر اپنے قصور کی بنا پر نہیں پہنچ پاتا۔اس لیے میں نے اس کی یہ شرح لکھنے کا ارادہ کیا ہے''۔

علّامہ محمد عبدہ نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ جو کچھ کہا ہے وہ اس کتاب کی عظمت پر روشنی ڈالنے کے لیے بہت کافی ہے۔